Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر!

مرتبہ

عبد القدیر نیاز

بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۵ء

ماہ ہجرت ۱۳۲۴ ہش

جلد عدد ۵

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا:۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداروں کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئیے، ورنہ عدمِ تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اِس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں، اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

ایک سال	چھ ماہ	تین ماہ	ایک ماہ	تعداد
دو سو ستر روپے	ایکسو چوالیس روپے	اٹھتر روپے	تیس روپے	ایک صفحہ
ایکسو پچاس روپے	چوراسی روپے	اڑتالیس روپے	اٹھارہ روپے	نصف صفحہ
نوّے روپے	چوّن روپے	تیس روپے	بارہ روپے	ربع صفحہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
Digitized by Khilafat Library Rabwah

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

(یعنی)

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

عدد ۵	ماہ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۵ء	جلد ۴۴

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ	مصنف
اخلاقِ حسنہ	ص۲	از جناب مولوی محمد صدیق صاحب واقفِ زندگی۔
خلافتِ راشدہ	ص۱۷	از جناب چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔اے۔
احمدیت کا مطمحِ نظر	ص۳۲	از جناب حافظ قدرت اللہ صاحب واقفِ زندگی۔
وادی بکّہ میں برکاتِ شریعت کا نزول	ص۴۲	از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائلپور۔
ضروری تصحیح	ص۵۰	از ایڈیٹر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اخلاقِ حسنہ

(از جناب مولوی محمد صدیق صاحب واقف زندگی)

اسلام کی ہر شے میں خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا اخلاق و معاملات سے، مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ اچھی ہے اور جسے ناپسند فرماتا ہے وہ بُری ہے۔ اس میں عقلی بُرائیاں اور خلق اللہ کے نقصان ہوتے ہیں۔ اِس بناء پر اسلامی اخلاق دو قسم کے ہیں۔ اوّل وہ اخلاق جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، دوئم وہ اخلاق جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ ذیل میں قسم اوّل میں سے چند اخلاق لیکر ان کی توضیح کی جاتی ہے:-

سچائی

اخلاقِ حسنہ میں سے جس خُلق کو سب سے بڑا درجہ حاصل ہے وہ صدق یعنی سچائی ہے۔ نفسیاتی اور منطقی لحاظ سے اسی ایک خُلق کے نیچے بہت سے اخلاق آجاتے ہیں۔ انسان کے ہر قول کی درستی اور صحت کی بناء یہی امر ہے کہ اسکا دل، اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق ہوں اس کا نام صِدق اور سچائی ہے۔ جو شخص راستباز اور صِدق گو نہیں اس کا دل ہر بُرائی کا گھر ہو سکتا ہے اور جو شخص صدق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے ہر نیکی کے حصول کا راستہ اور کامیابی و کامرانی کا ہر طریق اُس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ نبی کریم صلعم کے عہدِ مبارک میں ایک شخص حضور صلعم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میرے اندر چار بُرائیاں پائی جاتی ہیں میں بدکار ہوں، چوری کرنا میری عادت ہے، شراب بھی پیتا ہوں، اور پھر جھوٹ بھی بول لیتا ہوں۔ اِن چاروں میں سے جس کے متعلق حضور انور کا ارشاد ہو آپ کی خاطر ترک کر دوں۔ حضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جھوٹ نہ بولا کرو۔ چنانچہ اس نے اس بات کا عہد کیا اور دربارِ نبوت سے رخصت ہو کر گھر چلا گیا۔ جب رات ہوئی شراب کا وقت ہو گیا، اس کا دل چاہا کہ وہ شراب پئے اور پھر بدکاری کے لئے آمادہ ہو تو اس کو خیال گذرا کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں گے کہ کیا تم نے رات کو شراب پی اور بدکاری کی؟ تو کیا جواب دوں گا۔ اگر اقرار کروں گا تو شراب اور زنا کی حد لگے گی اور اگر انکار کیا تو عہد کی خلاف ورزی ہوگی۔ یہ بات سوچکر وہ اِن دونوں سے باز رہا۔ جب رات گذری اندھیرا چھا گیا تو چوری کے لئے گھر سے نکلنا چاہا تو پھر اسی خیال سے رُک گیا کہ صبح دربارِ نبوت میں کیا جواب دیگا۔ اگر اقرار کیا تو ہاتھ کٹ جائے گا ورنہ بدعہدی ہوگی۔ صبح ہوتے ہی حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بُری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں۔ پس سچائی کی عادت انسان کو بہت سی بُرائیوں سے بچاتی ہے اور بہت سی خوبیاں اس کے اندر پیدا کرتی ہے۔ مثلاً جو سچا ہوگا اور سچ کو اپنا شیوہ بنالے گا وہ ہر بُرائی سے پاک ہونیکی کوشش کرے گا۔ وہ راست باز اور راست گو ہوگا، وہ ایماندار ہوگا، وعدہ کو پورا کرنے والا اور عہد کو نبھانے والا ہوگا، دلیر اور شجاع ہوگا، صاف دل ہوگا نہ کہ ریاکار، وہ خوشامدی نہ ہوگا، سب اس کا اعتبار کریں گے۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے سچائی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی بُنیاد قرار پائے گی۔

حدیث شریف میں ہے تخلّقوا باخلاق اللہ۔ کہ جن اوصاف کا ظہور اللہ تعالےٰ سے ہو رہا ہے اس کے بندوں کو بھی اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنا چاہئیے۔ سچائی بھی صفاتِ ربانی میں سے ایک صفت ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ قیامت کے بارہ میں بعث و ثبوت کے بیان فرماتا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ... وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ۝ (نساء ع) کہ اللہ تعالےٰ سے بات میں کون سچا ہے۔ اسی طرح جنت کے بیان میں بھی فرمایا وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ۝ (نساء ع) کہ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے سچ اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر بات میں۔ اسی طرح تمام انبیاء میں بھی صدق کی صفت ہوتی ہے۔ پھر خدا تعالےٰ نے جن لوگوں کے لئے اپنی مغفرت اور اجر عظیم کے وعدے کئے ہیں ان میں اسلام اور ایمان اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد پہلا درجہ سچائی کا ہی ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (احزاب ع)

سچائی کی اقسام

سچائی کی تین قسمیں ہیں۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

زبان کی سچّائی

یعنی زبان سے جو بولا جاوے وہ سچ بولا جاوے اور منہ سے کوئی حرف صداقت کے خلاف نہ نکلے۔ یہ سچّائی کی عام اور مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وعدہ کو پورا کرنا اور پابندیٔ عہد بھی اسی قسم میں داخل ہے اور یہ ایمان اور اسلام کی بڑی نشانی ہے۔ اس کے مقابل کا جھوٹ نفاق کا ہم معنی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے صدق کو ایمان کا اور جھوٹ کو نفاق کا سرمایہ قرار دیا ہے۔ فرمایا لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ۔ اسی حقیقت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مؤطا امام مالک باب ما جاء فی الصدق والکذب۔ پھر بخاری شریف میں ایک روایت میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سچ بولنا نیکی کا راستہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے۔ اور آدمی سچ بولتا ہے اور سچ بولتے بولتے وہ صدیق ہو جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الادب)

پس معلوم ہوا کہ سچّائی سے ہی ایمان کے بیج کی پرورش ہوتی ہے اور انسان کے اندر ایمان اور نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے اور اس کو صدیقیت کا بلند پایہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

دل کی سچّائی

دوسری قسم سچّائی کی دل سے تعلق رکھتی ہے اور اس حیثیت سے صدق اور اخلاص دونوں ایک ہی چیزیں بن جاتے ہیں، اور اس حالت میں بسا اوقات زبان سے سچ کا اظہار بھی اس لئے جھوٹ ہو جاتا ہے کہ وہ دل کی تہ سے نہیں نکلتا۔ چنانچہ منافقین رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی رسالت و نبوت کا اقرار زبان سے کرتے تھے لیکن چونکہ ان کا یہ اقرار ان کی ضمیر کے خلاف تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کاذب قرار دیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (منافقون ع) پس سچّائی صرف زبان سے اظہار کا نام نہیں بلکہ زبان سے دل کی صحیح ترجمانی کرنے کا نام ہے۔

عمل کی سچّائی

صداقت کی تیسری قسم عمل سے تعلق رکھتی ہے کہ جو نیک عمل ہو وہ ضمیر کے مطابق ہو۔ ظاہری اعمال باطنی اوصاف کے مطابق ہوں۔

پس سچّائی کے لئے ضروری ہے کہ زبان اور دل کی سچّائی کے ساتھ عمل کی سچّائی بھی ہو۔ اسلئے جن مسلمانوں نے غیر متزلزل ایمان کے بعد خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور جانیں دیں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سچے ٹھہرے۔ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (حجرات ع) یہ سچے اسلئے ٹھہرے کہ ان کا یہ عمل ان کی دلی کیفیت کا سچا ترجمان تھا اور زبان اور دل نے جس ایمان کا اقرار انہوں نے کیا تھا اس کی تصدیق عمل کے ساتھ کردی اور ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رہیگا اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہوا۔ اور وہ بھی اس سے راضی ہوئے۔

دیانت وامانت

آپس کے لین دین کے معاملات میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت و امانت ہے۔ یعنی انسان کو چاہیئے کہ اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جو چیز کسی کے ذمہ ہو وہ دوسرے کو پوری پوری ادا کرے۔ اسی کو عربی زبان میں امانت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی شرعی تکلیف کو جو اس نے بنی نوع انسان کے سپرد فرمائی امانت کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...الخ (احزاب ع۹) پھر خدا تعالیٰ کا فرشتہ جو اس کا پیغام لیکر اس کے بندوں کے پاس آتا ہے وہ چونکہ بلا کمی بیشی خدا تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے لہذا اسے بھی امین کے نام سے پکارا گیا۔ فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (شعراء ع) پھر خدا تعالیٰ کے رسول بھی اسی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو بندوں تک من وعن پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر رسولوں کی صفت میں یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے۔ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (شعراء ع) پھر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی عرب میں امین کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ جو چیز آپؐ کے سپرد کی جاتی تھی وہ لوگوں کو پوری پوری واپس کیا کرتے تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو بھی اسی صفت سے موصوف فرمایا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (مومنون ع)

صرف روپیہ پیسہ کا ادا کردینا ہی امانت نہیں بلکہ اور بہت سے امور کا لحاظ رکھنا بھی امانت ہے۔ مثلاً اگر کوئی مشورہ پوچھے تو اس کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔ کسی کا راز محفوظ رکھنا بھی امانت ہے۔ کسی مجلس میں سنی ہوئی باتیں اپنے تک محدود رکھنا بھی امانت میں سے ہے۔ فتنہ اور ہنگامہ کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے۔ نوکر کا اپنی نوکری کو پوری ذمہ داری کے احساس سے ادا کرنا بھی دیانت و امانت ہے۔ (ھلمّ جرًّا)۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پس امانت و دیانت ایک ایسا خُلق ہے کہ جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں"۔ (کنز العمال ج)

پس امانت کے جاتے رہنے سے انسان کی فطری صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اُمت اُس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہیگی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی"۔ (کنز العمال ج)

پس صراطِ مستقیم کے حصول کے لئے دیانت اور امانت ایک کنجی ہے جس کے بغیر اس راستہ پر چلنا دُشوار اور محال ہے۔

عدل و انصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دینا کہ ان میں سے کسی میں ذرہ بھر کمی یا بیشی نہ ہو عربی زبان میں عدل کہلاتا ہے۔ اسی سے وہ معانی اِس لفظ کے اندر پیدا ہوتے ہیں جنہیں ہم اپنی زبان میں اِس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام ہم کریں اس میں سچائی کی میزان اور انصاف کا ترازو کسی طرف جُھکنے نہ پائے۔ اور وہ بات کہی جائے یا وہ کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پُورا اُترے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عدل بھی ہے۔ چنانچہ اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک نام عادل بھی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ صاحبِ عدل ہے اور دُنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لیکر زمین تک پھیلا ہُوا ہے یہ صرف خدا تعالےٰ کے عدل و انصاف پر ہی قائم ہے۔

عدل و انصاف صرف نظم و سلطنت ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے عدل و انصاف ضروری ہے اور نظامِ عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل ع)

عدل قانون کا اقتضاء ہے اور احسان اور درگزر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ عالم کو قائم رکھنے کے لئے عدل کا حکم دیا اور اس کے بعد احسان کی تاکید فرمائی جس سے اشخاص کی روحانی تکمیل ہوتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے عدل و انصاف زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً معاشرتی زندگی کو ہی لے لیا جائے اس میں سب سے زیادہ عدل و انصاف کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جو ایک سے زیادہ نکاح کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فَاِنْ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نساء ع)

پھر عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بھی عدل و انصاف کو ضروری قرار دیا فرمایا وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (نساء ع ۱۹) کہ یتیموں کے حقوق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

پھر عام معاملات میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ خرید و فروخت میں ہے اس لئے فرمایا وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام ع ۱۹) قرآن کریم میں بار بار اس امر میں انصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ اس کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے اس لئے وزن و پیمانہ میں کمی کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے وہ نہایت عام اور وسیع ہے اس کے ساتھ انسان کی سخت دنائت ثابت ہوتی ہے اور اس سے روح میں سخت گندگی پیدا ہوتی ہے۔

پھر عدل و انصاف کی ضرورت عدالتی معاملات میں بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھا ہے۔ تحریر دستاویزات کے متعلق فرمایا۔ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (بقرہ ع ۳۹) پھر شہادت یا فیصلہ کے وقت عام طور پر اکثر لوگوں کا ایمان متزلزل ہوجاتا ہے۔ یا تو فریق مقدمہ کے اپنا قرابت دار ہونے کی وجہ سے یا حاکم کو عداوت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی (انعام ع ۱۹) پھر فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (مائدہ ع ۲)

غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ عدل سے انسان خدا تعالیٰ کے سایہ میں پہنچنے کا حقدار ہوجاتا ہے جیسے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے روز جس دن خدا تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس دن سات اشخاص خدا کے سایہ میں ہوں گے ان میں سے ایک امام عادل بھی ہوگا۔" (بخاری)

حسن سلوک

احسان یعنی بھلائی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے اسی وجہ سے اس کی اتنی صورتیں ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان تمام صورتوں کی ایک عام شکل یہ بنتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرنا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جس سے ان کا دل خوش ہو اور انہیں آرام پہنچے۔ حُسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے بار بار اس کی تاکید فرمائی ہے۔

حُسنِ سلوک کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک صورت قرابت داروں کی مالی امداد ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل ع ۱۳) پھر حسنِ سلوک صرف مالی امداد سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں اور عام لوگوں کے علاوہ ماں باپ، قرابت دار، یتیم، محتاج قرابت دار، پڑوسی، اجنبی پڑوسی، آس پاس بیٹھنے والے، مسافر اور لونڈی اور غلام سب سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے سُورۃ نساء رکوع ۵ میں ان سے حُسنِ سلوک کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا ہے۔ حُسنِ سلوک تو ہر انسان کے فرائض میں داخل ہے لیکن جن کی مالی وسعت کا دائرہ زیادہ وسیع ہو ان کو اس کے مطابق حُسنِ سلوک کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے اور ہر فرد کو اپنے جاہ و مال سے فائدہ پہنچائیں۔ اسی وجہ سے قارون کی قوم نے اس سے اِس اخلاقی امداد کا مطالبہ کیا تھا۔ واحسن کما احسن اللہ الیک (قصص ع ۸)

مالی امداد کے علاوہ حُسنِ سلوک کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ کسی کو مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب خدا تعالےٰ نے قید سے نکالا تو انہوں نے اس کو بڑا احسان اور حسنِ سلوک سمجھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ رَبِّیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ (یوسف ع ۱۱)

مالی امداد اور مصیبت سے نجات دلانے کے علاوہ اور بھی بہت سے شریفانہ و فیاضانہ افعال حُسنِ سلوک میں شامل ہیں۔ مثلاً کسی کا کچھ تم پر واجب ہو تو اس کو بلالیت ولعل ادا کرنا بھی حُسنِ سلوک ہے۔ فرمایا فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ (بقرہ ع ۲۲) پھر قصوروار کا قصور معاف کرنا اور اس کے مقابلہ میں اپنے غصہ کو دبانا بھی حسن سلوک ہے۔ غرضیکہ اسلام نے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور حُسنِ سلوک کرنے کو کسی خاص معنی میں محدود نہیں کیا بلکہ اس کو نیکی کی راہ میں وسیع کر دیا ہے۔ زندگی تو درکنار موت میں بھی اسلام نے اس کے وسیع دائرہ کو تنگ نہیں کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا فرض کیا ہے۔ اگر تمہیں کسی کو شرعی حکم کے لحاظ سے جان سے مارنا بھی پڑے تو اس کو بھی اچھائی کے ساتھ کرو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا پڑے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تو بھی خوبی کے ساتھ کرو۔ چھری کو خوب تیز کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح)

الغرض حسن سلوک ایک ایسی خوبی ہے جس سے انسان دشمن کے دل پر بھی قابو پالیتا ہے اور اس وصف سے متصف انسان باخدا اور خدادوست انسان بن جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے باربار کلام الٰہی میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (آل عمران ع ۱۴)

بشاشت

بشاشت سے یہ مراد ہے کہ انسان کا دل ہر وقت خوش رہے اور اسکے چہرہ پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں۔ دوسروں سے باتیں کرنے میں ادب و احترام اور لطف و محبت کا پہلو ملحوظ رہے تاکہ آپس میں تعلقات خوشگوار رہیں اور باہمی محبت اور مروّت بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے بشاشت کے مقابلہ میں عبوست کو منع فرمایا ہے۔ فرمایا لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان) کہ لوگوں کے ساتھ ناک بھوں چڑھا کر پیش نہ آؤ بلکہ بشاشت کا پہلو اختیار کرو۔

بشاشت سے انسان کی صحت پر نہایت عمدہ اثر رہتا ہے۔ اس کا دل قوی ہوجاتا ہے اور قوتِ ارادی مضبوط ہوجاتی ہے۔ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں عبوست سے انسان کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ ہر وقت دل کڑھتا رہتا ہے اور دوست و دشمن سب نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

صدقہ و خیرات

اپنے مال سے کسی کو بخاطرِ ثواب عطیہ دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ کوئی چیز دیتے وقت صرف ثواب کی ہی نیت ہو۔ اظہارِ اکرام وغیرہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی یہ شان بیان کی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥ (بقرہ ع) کہ مومن کی صفات میں سے ایک یہ وصف بھی ہے کہ وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے کے لئے حصہ نکالتا ہے۔ صدقہ و خیرات بھی فیاضی و سخاوت کی ایک جزو ہیں۔ جس کا دل سخی ہوگا وہی صدقہ و خیرات دیگا۔ چونکہ صدقہ میں کسی قسم کا اظہارِ احسان وغیرہ نہیں ہونا چاہیئے اس لئے فرمایا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (بقرہ) کہ صدقات دیکر بعد میں احسان نہیں جتلانا چاہیئے۔

صدقہ دینے کا قومی فائدہ یہ ہے کہ اس طرح قوم کے غرباء کی حاجت روائی کا خیال انسان کے دل میں رہے گا اور بوقت ضرورت اپنے اموال سے ان کے لئے خرچ کرنیکا عادی ہوگا۔ پھر صدقہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سے انسان آفات سے نجات پا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ صدقہ بلا کو رد کرتا ہے۔

صدقہ دینے والے کے اندر خدا تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا پرتو ہوتا ہے۔ وہ اپنے قرب و جوار میں رہنے والوں کی ضروریات کا خیال رکھیگا اور ہر وقت ان کی مدد کرتا رہے گا۔

مہمان نوازی

مہمان کی خدمت و حفاظت کو اسلام نے ایک اہم فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے مہمان کی حکایت بیان فرماتے ہوئے مسلمانوں کو مہمان نوازی کے اصولوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فرمایا هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ (ذاریات ع ۲) اس آیت میں مہمان نوازی کے متعلق حسب ذیل باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) مہمان اور میزبان میں کلام کی ابتداء باہمی سلام سے ہو۔ (۲) مہمان کے کھانے پینے کا فوراً انتظام کرنا چاہیئے۔ (۳) مہمانوں کے کھانے پینے کا سامان مخفی طور پر ان کی نگاہ بچا کر کرنا چاہیئے کیونکہ اگر مہمانوں کو معلوم ہو جائے گا تو وہ اسے ازراہِ تکلف روکیں گے (۴) کسی بہانے سے تھوڑی دیر کے لئے مہمانوں سے الگ ہو جانا چاہیئے تاکہ آرام کرنے یا دوسری ضروریات سے فارغ ہونے میں انہیں تکلیف نہ ہو۔ (۵) مہمانوں کے سامنے عمدہ سے عمدہ کھانا پیش کرنا چاہیئے (۶) مہمانوں کے کھانے سے خوش اور نہ کھانے سے مغموم ہونا چاہیئے۔ پھر سورۂ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا کھلانے کے علاوہ میزبان مہمان کی عزت و آبرو کا بھی محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ (حجر ع ۵)

مہمان نوازی کی یہ اہمیت تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے لیکن نبی کریم صلعم نے اس سے بھی بڑھ کر توضیح فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ اس کو ایمانِ کامل کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ "جو شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے۔" عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اس کا جائزہ کیا ہے؟ کہ ایک دن

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہے۔" (بخاری کتاب الادب)

مہمان نوازی کی بیان شدہ اہمیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بلند خُلق ہے۔ انسان میں اس کا پیدا ہونا اس کے ایمان کی تکمیل کا موجب ہے۔ اس خُلق کے حامل انسان میں بُخل جیسا قبیح فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ جب ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلہ کے شخص کی مہمان نوازی باحسن طریق کرے گا تو دونوں قبیلوں اور قوموں میں اُنس و محبت کا جذبہ پیدا ہوگا اور بہترین تعلقات قائم ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو کسی قسم کا خوف نہیں رہے گا۔ ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کا محافظ اور بہی خواہ ہوگا۔

عفت

شہواتِ دنیویہ کے ترک کرنے اور طہارت جسمانیہ کو قائم کرنے کا نام عفت ہے۔ اور بُری خواہشات اور ناجائز چیزوں سے بچنے والے کو عفیف کہتے ہیں۔ عفت و پاکبازی ان تمام اخلاقی خوبیوں کی رُوحِ رواں ہے جن کا تعلق عزت و آبرو کے ساتھ ہے اس لئے اسلام نے عفت کو ان اخلاقی محاسن میں شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے چہرہ کا نور ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں مسلمانوں کے امتیازی اوصاف میں سے ایک وصف عفت کو بھی قرار دیا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ اسی طرح سورہ معارج میں جن اوصاف کو بیان فرمایا گیا ہے ان میں سے ایک عفت بھی ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ٥ (معارج ع) علاوہ تکمیلِ ایمان کا موجب ہونے کے عفت و پاکبازی خدا تعالیٰ کی بخشش کے حصول کیلئے ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے ان میں عفیف بھی ہیں۔ فرمایا وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (احزاب ع)

اسلام میں عفت اور پاکبازی کا وہ درجہ ہے کہ جو نبوت اور رسالت کا لازمی جزو ہے۔ نبی، نبی کے سلسلہ اور نبی کے اہل بیت کا دامن ہمیشہ اس داغ سے پاک رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریمؑ پر سے یہود کے الزام کو دُور فرماتے ہوئے فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم ع) اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے اس الزام کو ان الفاظ کے ساتھ دُور کیا گیا ہے وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ[1] (یوسف ع) عفت اور پاکدامنی سے انسان کی روحانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ وہ ان تمام راہوں سے محفوظ رہتا ہے جو بے حیائی اور بدکاری کی طرف کھینچتی ہے۔ عفت سے خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل

[1] اہلبیت نبوی کے متعلق فرمایا۔ وَاُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ (نور ع)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتا ہے اور دُعا کی قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور قیامت کے روز خدا تعالیٰ کا سایہ حاصل ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب الحدود باب ترک الفواحش)

تسامح

تسامح کے معنی ہیں عفو اور درگذر۔ عفو اور درگذر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو دُنیا ایک لمحہ کے لئے بھی آباد نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے ایک نام عَفُوٌّ بھی ہے یعنی عفو اس کی شان ہے۔ انسان کو چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرے اور باوجود طاقتِ انتقام کے اپنے بھائی کے قصور سے درگذر کرے۔ خدا تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ وہ معاف فرماتا ہے تو انسان کے لئے بھی اپنے قصور واروں سے درگذر کرنا ضروری ہے؛ تا کہ گناہوں کی مغفرت ہو سکے۔ چنانچہ فرمایا وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (نور ع ۳) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے عفو کی تعلیم میں یہ ترغیب دلائی ہے کہ اگر تم دوسروں سے درگذر کرو گے تو خدا تعالےٰ اس کے عوض میں تمہارے سارے گناہ بخش دیگا۔

یہ اخلاقی وصف انتہا درجہ کی کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے خدا تعالےٰ نے بھی اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ فرمایا جو کشادہ دلی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کا صلہ بھی اس قدر مقرر فرمایا کہ جو انتہائی وسعت رکھتا ہے۔ فرمایا وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (آل عمران ع ۱۴) اسی اخلاقی وصف سے شریفانہ عزت اور وقار سب پر چھا جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا (ترمذی ابواب البرّ و الصّلة) کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو عفو اور تسامح سے کام لیتا ہے عزت میں بڑھاتا ہے۔

پس اس وصف کے حامل انسان میں جرأت و دلیری کشادہ دلی اور بلند حوصلگی پائی جاتی ہے اور اس کی عزت اور وقار لوگوں کی نگاہ میں قائم ہو جاتا ہے۔

شفقت

کسی کے ساتھ نرمی، لُطف اور رأفت کے ساتھ پیش آنا شفقت کہلاتا ہے۔ یہ اخلاقی وصف بھی انسان کے بُنیادی اوصاف میں سے ہے۔ دُنیا میں ہم ایک دوسرے کیساتھ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے خیال سے نیکی کے جو کام کرتے ہیں ان کی تہ میں بھی رحم اور شفقت کا جذبہ کام کرتا نظر آئیگا۔ جس کے دل میں یہ جذبہ نہ ہوگا وہ بے رحم، سنگدل ہوگا اس کا دل ظلم اور شقاوت سے بھرا ہوا ہوگا۔

جہاں خدا تعالیٰ کی صفت رؤف و رحیم ہے وہاں اس کے نبی کی بھی یہ شان ہے۔ فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ٥ (توبہ ع) پھر مسلمانوں کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے اِس وصف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح ع) شفقت کا جذبہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا پرتو ہے اس سے صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے پس انسان کو چاہئے کہ نہ صرف عمر میں چھوٹے سے شفقت کرے بلکہ ہر حیثیت کے چھوٹوں پر رحم کرے پھر اپنی قوم کی ہمدردی، محبت اور اعانت کا جذبہ اِسی اخلاقی وصف سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں کی باہمی رحمدلی، باہمی دوستی اور باہمی مہربانی کی مثال انسان کے جسم کی سی ہے کہ جب کسی عضو کو درد پہنچتا ہے تو تمام جسم متاثر ہوجاتا ہے (بخاری کتاب الادب)

الغرض یہی وہ وصف ہے جس سے یتیموں کی غمخواری، مسکینوں کی تسکین، بیماروں کی تسلّی، غریبوں کی امداد، مظلوموں کی حمایت اور زیردستوں کی اعانت ہوتی ہے۔

رواداری

اپنوں کے علاوہ غیروں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور نیک سلوک کرنا بھی ایک اخلاقی وصف ہے جو رواداری کہلاتا ہے۔ یہ وصف اِس قدر بڑا ہے، کہ ایمان کی تکمیل کے لئے اِس کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اِس وصف کے اظہار کا قرآن مجید میں کئی مرتبہ حکم دیا گیا ہے۔ باوجود مذہبی اختلافات اور روحانی غیرت کے مخالفین اور اعداء کے ساتھ دُنیاوی معاملات اور اخلاق کے بارہ میں رواداری کا حکم دیا۔ چنانچہ عین لڑائی کے وقت میں فرمایا وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ٥ (توبہ ع) کہ اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دی جاوے حتّٰی کہ وہ اللہ تعالےٰ کا کلام سُن لے اور پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دیا جاوے۔ یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ایک جنگجو مذہبی دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ رواداری اور حُسنِ سلوک کیا ہوسکتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھکر یہ کہ کفار کے ساتھ باوجود دلی بے تعلقی کے یہ حکم دیا کہ اگر کسی مسلمان کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں تو بھی ان کی خدمت بجالانا دُنیاوی امور میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور رواداری سے پیش آنا مسلمان اولاد پر فرض ہے۔ فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان ع۲) مذہبی دشمنوں کے ساتھ اس سے بڑھکر رواداری کیا ہوسکتی ہے کہ باوجود مذہبی مخالفت کے ان کی دُنیاوی خدمت اور ان کے ساتھ حُسن سلوک اور بہترین برتاؤ میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ اِس اخلاقی وصف سے قوموں اور مُلکوں، قبیلوں اور خاندانوں کی آپس کی جدائیاں اور پھوٹ و انشقاق جاتا رہتا ہے اور ایک دوسرے سے امن و امان میں رہ سکتے ہیں۔ عالی حوصلگی اور شرافت کا یہ جزو ہے اور دنائیت اور پستی قریب نہیں آسکتی۔

جرأت وشجاعت

خدا تعالیٰ کی صفات عفو، درگذر، ربوبیت، مالکیت، رحیمیت اور رحمانیت کی طرح بعض صفات ایسی بھی ہیں کہ جن سے قدرت وعظمت اور طاقت وجبروت کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ قادر ہے، قوی ہے، عزیز ہے، غالب ہے۔ جب اِن صفات کا پرتو کسی انسان پر پڑ جاتا ہے تو وہ اخلاقی اور جسمانی طور پر شجاع اور بہادر بن جاتا ہے۔

یہ اخلاقی وصف ایمان اور اتقاء کے لئے نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابل پر میدانِ جنگ میں جُرأت وبہادری کے جوہر دکھائے اور ثابت قدم رہے۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرۃ ع۲۲) پس ہر وہ شخص جو کسی جماعت یا ملت کا فرد ہے وہ مُنہ سے اقرار کرے یا نہ کرے اس کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت میں اپنی جان تک کی بازی لگا دے۔ اور جب وہ ایسا کرگذرتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ اور اپنی قوم کے روبرو راستباز اور سچا ٹھہرتا ہے۔ اور جو جذبہ اسکو اس فرض پر آمادہ کرتا ہے وہ شجاعت اور جُرأت ہی ہے اور یہی اتقاء اور ایمان کا منشاء ہے۔ اگر یہ وصف نہ ہو تو ظلم وستم کی روک تھام اور باطل قوتوں کا بہادرانہ مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اِس اخلاقی وصف کی بدولت دوستوں میں مستعدی اور سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور دشمن پر رعب قائم ہوتا ہے۔

قناعت

اللہ تعالےٰ کے اوصاف میں سے ایک وصف استغناء اور بے نیازی کا بھی ہے۔ جیساکہ بیان ہوچکا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا مظہر بننا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چاہیئے۔ اِس غرض کے لئے خدا تعالیٰ کی تمام صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے صفتِ استغناء کے حصول کا بڑا ذریعہ قناعت ہے۔ کم سے کم جو ملے اسی پر طمانیت کے حصول کو قناعت کہتے ہیں۔ اسی پر اکتفاء کیا جائے اور زیادہ کی حرص و آرزو نہ کی جائے۔ اسی کی طرف توجہ دلاتا ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (نساء ع) کہ اے مسلمانو! جس چیز میں تم میں سے بعض کو بعض پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطاء فرمائی ہے اس کی حرص و ہوس نہ کرو۔ پھر اسی طرح فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (طٰہٰ ع)، کہ لوگوں کے طرح طرح کے سامان کو دیکھکر ان کی طرف آنکھ نہیں لگانی چاہئے کہ ہمیں بھی وہ ملجائے۔ جس انسان میں قناعت کا وصف نہیں وہ باوجود دولت مند ہونے کے محتاج ہوتا ہے اور وہ شخص جو اُسی پر خوش ہو جو اُس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ باوجود مال کی کمی کے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

قناعت کے وصف سے انسان کے رُوح اور قلب پر بہترین اثر پڑتا ہے حتّٰی کہ یہی وصف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلعم کی ایک حدیث سے یہی ثابت ہے۔ فرمایا۔ خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اُس پر قانع بنا دیا ہو۔ (زوائد صحیح ابن حبان باب فی القناعۃ)

حلم

حلم کے معنی ہیں کہ باوجود بدلہ و انتقام کی طاقت و قدرت حاصل ہونیکے کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جاوے اور قصوروار سے اس کے لئے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جاوے صفتِ حلم اخلاقی لحاظ سے ہر حالت میں قابلِ تعریف ہے لیکن جب قصوروار پر غصہ آجائے تو اس وقت اس غصہ کے موجب عیب اور خطاء کے علاوہ اگر اُس کی خوبیاں بھی ہمارے سامنے آجائیں تو ہم باوجود قدرتِ انتقام کے اُس کی خوبیوں کے پیشِ نظر اس سے اظہارِ حلم کریں تو پھر اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام ہوگا۔ قصوروار خواہ کس قدر ہی ہمارا مخالف کیوں نہ ہو ہمارا مطیع ہو جائیگا اور ہمیشہ اس کی گردن احسان سے جُھکی رہے گی۔

حلم کی صفت خدا تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حلم اور جلد بازی نہ کرنا" (ترمذی ابواب البر والصلۃ) اسی طرح جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو ضبط کرتا ہے اور حلم کا اظہار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو دبائے گا اور حلم کا برتاؤ کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُسے سب کے سامنے بُلا کر اُسے اپنے خاص انعام کا مستحق ٹھہرائیگا۔ (بخاری کتاب الادب)

تقویٰ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ سے ڈرنا اور اپنے تمام اعمال کو اس کی اطاعت میں بجالانا۔ یہ وصف ہر فرد میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ رنج وغم، عُسر ویُسر، کرب وبلا، غرضیکہ ہر حالت میں انسان کا دل خشیت اللہ سے لبریز ہونا ضروری ہے متقی لوگ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور متقی کا دل ہی جلد ہدایت کو قبول کرتا ہے۔ دُنیا میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ تقویٰ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اِسی وجہ سے اِس زمانہ کے مُرسَل و مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس تقویٰ پر ہی دینی و دُنیوی فلاح و بہبودی کا مدار ہے۔

اخلاقِ حسنہ کا مختصر سا خاکہ اُوپر پیش کیا گیا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے اندر ان اوصاف کو پیدا کرنے میں دن رات کوشاں رہے تا بموجب ارشاد تخلقوا باخلاق اللہ ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہرِ کامل بن سکے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خلافت راشدہ

(از جناب چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے)

ہم احمدی اس امر کے قائل ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سلسلہ قائم ہوا اس سلسلہ کو خلافتِ راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خلفاء جن کا زمانہ قریباً تیس برس ہے حقیقی طور پر رسول اکرم صلعم کی نیابت میں آیۂ استخلاف کے مطابق کام کرنیوالے تھے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق اس سلسلۂ خلافت میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ خلفاء ہوئے۔ اس کے برخلاف شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے اصحابِ ثلاثہ برحق خلفاء نہ تھے۔ بہت سے شیعہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے بعد بلا واقعہ و بلا فصل خلیفہ تھے اور آنحضرت صلعم کے نائب برحق صرف وہی تھے۔ خلافتِ راشدہ کے متعلق شیعہ سنی جھگڑے کی ساری بنیاد اسی اختلاف پر ہے۔ اس سلسلہ میں ایک احمدی کو مندرجۂ ذیل امور ثابت کرنے پڑتے ہیں:۔

(۱) ایمانِ اصحابِ ثلاثہ۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ۔

(۲) خلافتِ اصحابِ ثلاثہ۔

(۳) حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کے دلائل کا رد۔

اگر یہ تین امور ثابت ہو جائیں تو شیعہ سنی جھگڑا بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

ایمان اصحاب ثلاثہ

کسی شخص کے ایمان کے تین ہی طریق ہو سکتے ہیں:۔ (۱) خدا تعالیٰ (۲) اور رسول کے قول و فعل سے اُس کے ایمان پر شہادت۔ (۳) مومنین کی شہادت۔

خلفاء ثلاثہ کا ایمان اِن تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ اوّل۔ خدا تعالیٰ نے جو صفات مومنین کی بیان کی ہیں وہ اِن تینوں اصحاب میں پائی جاتی ہیں اور منافقین کی صفات سے وہ منزہ ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۱) اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

مومن مرد ہوں یا عورتیں وہ باہم محب و مددگار ہوتے ہیں نیکی کا حکم کرنا اور بدی سے روکنا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا، یہ ان کی صفات ہیں اور یہ تمام صفات اصحاب ثلاثہ میں واضح طور پر پائی جاتی ہیں (کیونکہ آپ نے نیکی کو دنیا میں پھیلایا اور بدی سے روکا۔ اور نہ صرف خود ہی مقیم الصلوٰۃ اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی پابند بنایا۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (بقرہ ع ۲۷)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہی رحمتِ الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۳) اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (مائدہ ع ۸) اللہ کے گروہ ہی غالب ہیں۔

(۴) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (نساء ع ۳)

جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا، راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بڑے درجے ہیں اللہ کے حضور اور یہی مراد پانے والے ہیں۔

مہاجر و مجاہد ہونے کے لحاظ سے فائزون کا وعدہ ان کے متعلق پورا ہونا ان کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۵) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ ...الخ (آل عمران ع ۲۰)

(۶) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اے نبی! جہاد کر اور سختی کر ان پر۔ انکا ٹھکانا جہنم ہے اور پھر جانے کی بُری جگہ ہے۔ اگر خلفاءِ کرام کفار یا منافقین میں سے ہوتے تو آنحضرت ان پر سختی کرتے اور ان کیساتھ جہاد کرتے۔ مگر ایسا نہ ہونا اِس امر کا ثبوت ہے کہ وہ صادق الایمان اور پکے مومن تھے۔

(۷) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

اِن "تحت الشجرۃ" اصحاب میں سے جن سے خدا راضی ہوا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی تھے۔ پس "رضی اللّٰہ" کے الفاظ میں آپ بھی حقدار اور شریک ہیں۔

یہ آیات مومنین کے لئے جن خوبیوں اور صفات کا وجود بتا رہی ہیں وہ اِن ہر سہ خلفاءِ کرام میں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے ان کا ایمان ثابت ہے۔ پھر جو صفات منافقین کی بتائی گئی ہیں اُن سے منزہ ہونا بھی آپکے ایمان کی دلیل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔

اِنَّ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

بدی کا حکم کرنا نیکی سے روکنا، خدا کو بھول جانا، بدعہدی اور بدکاری کرنا۔ یہ وہ صفات ہیں جو آپ میں ہرگز نہ پائی جاتی تھیں۔ پس آپ کا عدم نفاق ثابت ہے جو ایمان کی دلیل ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ایمان کے نتائج کیا ہیں۔ اور کیا وہ بھی اِن ہر سہ بزرگوں پر پُورے اُترتے ہیں یا نہیں۔ ایمان کے بعض نتائج قرآن کریم میں حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝

مومنین کو نصرت کا وعدہ دیا گیا ہے جو خلفاء کی زندگی میں پُورا ہُوا۔

(۲) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

مہاجرین کے لئے جن میں خلفاء ثلاثہ بھی شامل تھے اِسی دُنیا میں حسنات کا وعدہ موجود ہے جو روزِ روشن میں پُورا ہو کر اُن کے صدق کی دلیل بنا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۳) وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ہ

خلفاء ثلاثہ کی اپنے مقاصد میں کامیابی اور مملکتِ اسلامی میں وسعت اور تمکینِ دین وغیرہ نصرتِ الٰہی کا ثبوت ہیں۔

برسبیلِ تذکرہ یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوئی ملک مملکتِ اسلامی میں داخل نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا آیات خلفائے ثلاثہ کے ایمان پر خدا تعالیٰ کی قولی و فعلی شہادت دیتی ہیں۔ جہاں تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے حضورؐ نے اپنی علالت کے دوران میں حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا ارشاد فرما کر اُن کے مقام کی توثیق فرما دی۔ حضرت عمرؓ کا اسلام بھی رسول اکرم صلعم کی قبولیتِ دُعا کا نتیجہ و نشان ہے۔ آپکے اسلام کے ساتھ حضورؐ کی دُعا قبول ہوئی کہ اُن کی شمولیت سے اسلام کو معزز کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیوں سے شادی کی۔ اور اپنی صاحبزادیاں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیں۔ اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نعوذ باللہ مومن نہ ہوتے تو رسول اکرم صلعم ولا تمسکوا بعصم الکوافر کے ارشاد کے ماتحت ان کی بیٹیوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھ سکتے تھے۔ حضورؐ کا اپنی علالت کے زمانہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں ڈیرہ لگانا خاندانِ حضرت ابوبکرؓ پر اعتماد کا ثبوت ہے۔

عام مومنوں کی شہادت بھی آپکے ایمان کے حق میں ہے۔ کیونکہ اُن کا سلوک و برتاؤ آپ سے محبت و پیار کا رہا۔ اگر خدا نخواستہ آپ منافق ہوتے تو خود حضرت علیؓ کا آپ اصحاب سے محبت کا سلوک رکھنا باعثِ اعتراض ٹھہرتا۔

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کے چند حوالے کتبِ شیعہ سے بھی دیئے جا سکتے ہیں:۔

(۱) ان ابا بکر هو اوّل من اظهر اسلامه" (شرح نہج البلاغہ جزو ۴ صـ۲۱۳)

(۲) عن ابراهيم النخعی قال اوّل من اسلم ابو بكر (ایضاً)

(۳) عن ابی نصر قال قال ابو بكر لعلی انا اسلمت قبلك فی حديث ذكره فلم ينكره عليه (ایضاً) اِس حدیث کے مطابق حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ سے بھی پہلے اسلام لائے جیسا کہ حضرت علیؓ کی تسلیم سے ظاہر ہے۔

(۴) حضرت علیؓ کی شہادۃ مندرجہ نہج البلاغہ (کتاب شیعہ) بھی قابلِ غور ہے۔ لکھا ہے:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"قال علی والزبیر ما قضینا الا فی المشورة وانا لنری ابوبکر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعرف له سنته ولقد امره رسول الله صلعم بالصلوٰة بالناس وهو حیّ"۔

(نہج البلاغہ جلد دوم ص۵)

یعنی حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سوائے اس مشورہ کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو اپنوں میں سب سے زیادہ اِس امر کا مستحق خیال کرتے ہیں کیونکہ آپؓ صاحبِ غار ہیں۔ اور ہم اُن کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے جبکہ آپؐ زندہ تھے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(۵) شہادت امام ابوجعفرؓ متعلق ابوبکرؓ:۔

"نعم الصدّیق۔ نعم الصدّیق۔ فمن لم یقل له الصدّیق فلا صدق الله قوله فی الدنیا"۔ (کشف الغمة فی معرفة الائمہ)

حضرت ابوجعفرؓ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ اور جو ان کو صدیق نہ کہے خدا دُنیا میں اس کی بات کو سچا نہ کریگا۔

(۶) شہادت حضرت علیؓ متعلق حضرت عثمانؓ:۔

"انت اقرب الی رسول الله"۔ (نہج البلاغہ ص۱۱۲)

(۷) شہادت امام جعفر صادقؒ متعلق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ:۔

"هما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق فعلیهما رحمة الله یوم القیٰمة"۔ (ادلۂ تقیہ فی ثبوت تقیہ مؤلفہ سید محمد رضا صاحب مجتہد)

حضرت ابوبکرؓ کے مقام کو بیان کرنے کے لئے مندرجہ ذیل آیہ شاہدِ ناطق ہے:۔

"اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"۔

جب اُس کو کافروں نے نکالا تو یہ صرف دو ہی آدمی تھے۔ جب نبی کریمؐ نے اپنے "صاحب" (ابوبکرؓ) سے کہا کہ تو کوئی غم نہ کر کیونکہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس خدا کی نصرت و محافظت کا وعدہ رسول کریم صلعم کی معیت میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی تھا۔

پس اِن ہر سہ اصحاب کا ایمان اور اعلیٰ مقام واضح ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسئلہ خلافت اصحاب ثلاثہؓ

(۱) آیۃ استخلاف حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بالبداہت ثابت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا" (سورہ نور ع)

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیکو کاروں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفے بنائے گا جیسے کہ اُس نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور اُن کے لئے بالضرور اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند فرمایا ہے مضبوط کریگا اور اُن کے خوف کو ضرور امن سے بدل دیگا۔ اور یہ خلفاء میرے عابد بندے ہوں گے، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

اللہ تعالےٰ نے اِس آیت میں نیکو کار مسلمانوں کو خلافت کی نعمت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے مقاصد یہ بتائے ہیں کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دین کو مضبوط کیا جائے گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کیا جائے گا۔

یہ آیت حضرت ابو بکرؓ کی خلافت بلافصل کے لئے اور حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کی تردید کے لئے نصِ قطعی ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی خلافت کے زمانہ میں یہ سب باتیں علیٰ وجہ الاتم ظہور میں آئی ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر عرب میں فتنۂ ارتداد اُٹھا اور مدعیانِ نبوتِ کاذبہ کھڑے ہوئے اور اسلام پر ایک زلزلہ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی تو اللہ تعالےٰ نے اِس بدامنی کے زمانہ میں حضرت صدیقؓ کو کھڑا کرکے ان کے ہاتھ سے ان فتنوں کا استیصال کیا اور دین کو کمال تمکین عطا فرمائی اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ اور اس طرح خدا تعالےٰ نے اپنی فعلی شہادت سے اس بات کی گواہی دیدی کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل اور آپ کے معاً بعد اِس آیت کے مصداق ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بھی یہ آیت ثابت کرتی ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیونکہ تمکینِ دین کے لحاظ سے دین وہی قائم ہُوا جو ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا تھا اور ان کے ہر ایک قِسم کے خوف کو جو عربوں کے ارتداد اور نصاریٰ اور فارسیوں کی لشکرکشی سے پیدا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے دُور کیا۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کو ان کی نسبت میں ایسی طاقت نہ ملی۔ نہ ان کے ذریعہ سے دین کی ویسی توسیع ہوئی، نہ ہی حضرت علیؓ نے پہلے خلفاء کے ترویج دیئے ہوئے دین میں کوئی اصلاح کی۔

حضرت ابوبکرؓ کے اعلیٰ مقام کے متعلق کتب شیعہ کے حوالے گذر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی ایک ایک حوالہ درج ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق ملاحظہ ہو:۔

"للہ بلاء فلان فقد قوّم الاود وداوی العمد خلف الفتنة واقام السنة ذهب نقیّ الثوب قلیل العیب اصاب خیرها وسبق شرّها ادّی الی اللہ طاعته واتقاه بحقّه"

(نہج البلاغہ طبع ۱۸۱، ۱۸۲)

فلاں آدمی (حضرت عمرؓ) کیا ہی اچھا تھا۔ کیونکہ اُس نے کجی کو درست کیا اور دلوں کی بیماری کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا اور سنت کو قائم کیا۔ اور انتقال کیا اِس حالت میں کہ وہ پاکدامن و بے عیب تھا۔ خلافت کا اچھا صِلہ پایا۔ اور پیدا ہونے والے شر سے پہلے گذر گیا۔ اللہ کی اطاعت کی۔ اور اللہ تعالےٰ کے حقوق میں تقویٰ سے کام لیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت حضرت عثمانؓ کے متعلق:۔

"واللہ ما ادری ما اقول لك ما اعرف شیئًا تجهله ولا ادلّك علی امر لا تعرفه انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك الی شیء فنخبرك ولا خلونا بشیء فنبلغكه وقد رأیت كما رأینا وسمعت كما سمعنا وصحبت رسول اللہ كما صحبنا وما ابن ابی قحافة ولا ابن الخطاب اولی بعمل الحق منك وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم............ وقد نلت من صهره ما لم ینالا" (نہج البلاغہ صـــ۱۱۳)

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بخدا مَیں نہیں جانتا کہ مَیں آپ کی خدمت میں کیا عرض کروں۔ مجھے کوئی ایسی نئی بات معلوم نہیں جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ اور نہ مَیں آپ کو کوئی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایسی نئی بات نہیں بتا رہا۔ جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ آپ سے زیادہ میرا علم نہیں۔ ہم آپ سے کسی بات میں آگے نہیں بڑھے کہ ہم آپ کو اس کی اطلاع دیں۔ اور نہ ہی ہم کسی چیز میں منفرد ہیں تا اس کو آپ تک پہنچائیں۔ بلا ریب آپ نے بھی وہ سب کچھ دیکھا اور سُنا جو ہم نے دیکھا اور سُنا۔ اور آپ نے بھی ہماری طرح آنحضرتؐ کی صحبت اختیار کی۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے بڑھکر کسی نیک کام میں سبقت نہیں رکھتے تھے۔ اور آپ تو رشتہ داری اور دامادی کے لحاظ سے بہ نسبت اُن دونوں کے زیادہ قریب تھے۔

"قال رسول اللہ صلعم اعز الاسلام بعمر" (شرح نہج البلاغہ جزو اول ص۵۷)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو معزز کیا۔

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلیل حضرت معاویہ کو لکھتے ہیں جو اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو ثابت کر رہی ہے:-

"ومن کتاب لہ الی معاویۃ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ ما بایعوھم علیہ فان اجتمعوا علیٰ رجلٍ سموہ اماما کان ذٰلک للہ رضا۔" (نہج البلاغہ ص۱۰۸)

کہ میری بیعت انہوں نے کی جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی کی۔ یہ لوگ چونکہ مہاجرین و انصار ہیں جس پر اتفاق کر کے اس کا نام امام رکھ دیں وہی خدا کی رضاء کا موجب ہے۔

اصول کافی از کتب شیعہ ص۳۱ میں ہے کہ جو غیر مستحق سلاطین کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے وہ طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتا ہے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اپنے مقدمات حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے پاس لیکر آئے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مستحق سلاطین اور خلفاء برحق تھے۔ حضرت علیؓ کا خلفاء سے بیعت کرنا بھی ثابت ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ آیت میں آتا ہے:-

اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ نے تجھ میں تسلی اُتاری اور ایسے لشکروں سے تائید کی جسے تم لوگوں نے نہ دیکھا۔ یہ تسلی اور تائید تو حضرت نبی کریم صلعم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کی ہوئی تھی۔ مگر ضمیر واحد غیب رکھکر حضرت ابوبکرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت پر مُہر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ پہلے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہکر آنحضرتؐ اس سکینت و تائید میں حضرت ابوبکرؓ کی شمولیت کا ذکر فرما چکے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پس اِن دلائل سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت بالکل واضح اور ثابت ہے۔ اب اِس بات کی تردید باقی ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل تھے۔ اس کیلئے ہمیں شیعہ حضرات کے دلائل اور اُن کی تردید دیکھنی چاہیئے۔

تردید دلائل شیعہ متعلق خلافتِ بلافصل حضرت علیؓ

(۱) دلیل شیعہ :۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ (مائدہ ع)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اہلِ تشیع حضرت علیؓ کو مراد لیتے ہیں۔ اور ولی کے معنی حاکم کے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالےٰ نے حضرت علیؓ کو حاکم مقرر کر دیا تو اُن کی موجودگی میں کوئی اور حاکم نہیں ہو سکتا۔ پس حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل ہیں۔

الجواب :۔ (۱) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اگر وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو اس سے شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔ کیونکہ پھر سوائے اللہ، اس کے رسول اور حضرت علیؓ کے کسی اور کی، امامت باطل ہو جائے گی۔

(۲) لفظ وَلی دوست اور ناصر اور حاکم کے معنی میں مشترک ہے۔ لفظ مشترک کسی ایک معنی میں قطعی حجت بلا دلیل نہیں ہو سکتا۔

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جمع کا صیغہ ہے اِس سے علیؓ واحد مراد نہیں لیا جا سکتا۔

(۴) اِس کے آگے ہے یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ۔ زکوٰۃ دینا حضرت علیؓ پر صادق نہیں آسکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مالکِ نصاب تھے۔

(۵) اگر اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علیؓ ہوں تو ان سے دوستی کرنے والے گروہ کو اللہ تعالےٰ نے غالب قرار دیا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل ماننا کر اُن کا اور اُن کے گروہ کا غلبہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۶) اِس آیت میں ولی کے معنی محبّ و ناصر کے اولیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ آیت نصاریٰ اور یہود کی دوستی سے روکنے کے بعد اللہ اور رسول اور مومنوں کی دوستی کی ترغیب میں ہے۔

(۷) اِس آیت سے پہلے یہ آیت ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ ...الخ کہ اے مسلمانو جو مرتد ہوگا تو خدا ایک غالب قوم کو لائے گا جو کافروں پر غلبہ حاصل کریں گے، اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مومنوں کے ساتھ نرمی کریں گے اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب لوگوں کو ارتداد کی حالت میں مسلمان بنانے کے لئے کھڑے ہونے والے حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھی تھے۔ پس یہ آیت تو اُن کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۸) اِس آیت کے بعد ہے کہ الذین اٰمنوا سے دوستی رکھنے والے غالب ہوں گے۔ یہ غلبہ خلفاء ثلاثہ کو ملا۔ پس اس سے اُن کی صداقت ثابت ہوئی۔ اور حضرت علیؓ کی نسبت زیادہ شان سے ثابت ہوتی ہے۔

دلیل شیعہ از حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کنتُ مولاہُ فعلیؓ مولاہُ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے خم غدیر کے موقع پر ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں یہ اعلان کیا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اور مولیٰ کے معنی حاکم کے ہیں۔

الجواب:۔ (۱) اِس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں اُس سے علیؓ بھی محبت کرتا ہے یا یہ کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ علیؓ سے بھی محبت کرے۔ حاکم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

(۲) اگر ایک لاکھ بیس ہزار صحابہؓ نے اِس کا مطلب یہ سمجھا ہوتا کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل ہیں تو حضورؐ کی وفات کے بعد وہ صحابہ کہاں گئے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

(۳) حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کے سامنے اُن کے انکار پر اپنی خلافت کی تائید میں متعدد دلائل بیان کئے مگر خم غدیر والے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

(۴) اگر حضرت علیؓ اپنے آپ کو خلیفہ بلافصل سمجھتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر خاموش رہنے کے کیا معنے ہیں؟ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ اصحاب ثلاثہ کے سامنے جو بقول شیعہ غیر شرعی حاکم تھے محکوم اور زیر دل بنکر رہیں۔ یا اگر اس وقت وہ اعلان نہ کر سکے تو کم از کم حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کی خلافت پر ہی اعلان کرتے لیکن وہ ہمیشہ خاموش رہے۔

(۵) خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

"دعونی والتمسوا غیری۔ وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم و اطوعکم لمن ولیتموہ امرکم و انا لکم وزیراً خیراً لکم منی امیراً"۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یعنی لوگو! مجھے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کرو۔ جسے بھی تم خلیفہ بناؤ گے میں اس کا خوب مطیع اور حکم سننے والا ہوں گا۔ میرا وزیر رہنا تمہارے لئے نہایت اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں تمہارا امیر بنوں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ صہ ۱)

حضرت علیؓ کے اس قول سے صاف ثابت ہے کہ آپ اپنے آپ کو خلیفہ بلافصل ہرگز نہ سمجھتے تھے۔

(۶) رسول اکرم صلعم کی کوئی وصیت ثابت نہیں جس میں حضورؐ نے حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا ارشاد فرمایا ہو۔

دلیل شیعہ:۔ حضرت رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا۔ کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

الجواب:۔ ضروری نہیں کہ حضرت علیؓ ہی صرف ایک دروازے ہوں شہر کے اور بھی بہت سے دروازے ہو سکتے ہیں۔ ایک کے ذکر سے باقیوں کے عدم وجود پر یہ بات شہادت نہیں ہو سکتی۔

(۲) حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو فرماتے ہیں:۔

"انّک لتعلم ما نعلم" کہ تو وہ کچھ جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔

اس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو اپنے سے علم میں فائق سمجھتے تھے پس اس حدیث سے یہ استدلال کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل تھے۔

باغ فدک

جہاں تک اصولی اختلافات کا سوال ہے شیعہ سُنی جھگڑے کی بُنیاد انہی امور پر ہے؛ جن پر مذکورہ بالا صفحات میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ بعض فروعی امور بھی ہیں جن میں سے سب سے زیادہ اہم باغِ فدک کا واقعہ ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے بیٹی کی حیثیت سے باغ کا مطالبہ بطور ترکہ کے کیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے دینے سے انکار کیا۔ اور یہ حدیث بطور دلیل بیان کی کہ لا نورث ولا نورث۔ یعنی انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی کہ:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

مگر اس پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے باغ نہ دیا۔

الجواب:۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ضد سے ایسا نہیں کیا کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث (قطع نظر اس کے کہ اس کے حقیقی معنی کیا تھے) انہوں نے سُنی ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم کو آنحضرت ہی زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ پس انہوں نے یہی خیال کیا کہ اس آیت کے معنی آخر آنحضرتؐ کے سامنے ہوں گے۔ اس کے باوجود حضور کا لا نورث ولا نورث فرمانا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔

(۲) اگر حضرت فاطمہؓ سے ضد تھی تو چاہیئے تھا کہ دیگر ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہؓ کو جو اُن کی اپنی بیٹی تھیں ورثہ میں دیدیں مگر ایسا نہ ہوا حتّٰی کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد بھی کسی کو نہیں دیا۔

(۳) حضرت ابوبکرؓ کی پیش کردہ شیعوں کی کتاب کافی میں صحیح مانی گئی ہیں۔

(۴) اگر حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اغراض کے مدنظر اس باغ کو نہیں دیا تو کیا خود رکھ لیا یا اپنے خاندان کو دیدیا۔ جواب یہ ہے کہ نہیں۔

(۵) اگر حضرت فاطمہؓ کو اس سے محروم رکھا تو اپنی اور حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم رکھا۔

(۶) اگر یہ باغ قابلِ تقسیم ہی تھا تو چاہیئے تھا کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے امام حسنؓ و حسینؓ میں تقسیم فرما دیتے۔

(۷) اِس واقعہ کے بعد حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے راضی بھی ہوگئی تھیں جس کا ذکر شیعہ کتب مثلاً حجاج السالکین میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور انہیں منایا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ کرو جو رسول مقبول صلعم کرتے تھے انہوں نے کہا ایسا ہی کروں گا۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ تم کو قسم ہے خدا کی کہ تم ایسا ہی کرو۔ انہوں نے تصدیق کی اور فاطمہؓ نے کہا کہ اے خدا تو گواہ رہ۔ پھر راضی ہوئیں۔ اور عہد کیا ابوبکرؓ سے۔ اور وہ ان کو گذارہ کے مطابق دیتے تھے باقی فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

(۸) شیعوں کی کتاب نہج البلاغہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ باغ فدک حضرت فاطمہؓ کو دیدیا گیا تھا۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

"انّہٗ لمّا وعظت فاطمۃ ابابکر فی فدک کتب لھا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کتابًا و ردّ علیہا"

یعنی جب فاطمہؓ نے ابوبکرؓ کو فدک کے معاملہ میں بہت نصیحت وغیرہ کی تو انہوں نے اس کو نوشتہ لکھدیا۔ شیعوں کی مسلمہ کتاب کے مطابق کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

(۹) تاریخ الخمیس جلد ۲ ص۱۹۳ مطبوعہ مصر میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہوگئی تھیں۔ لکھا ہے:۔

"فاقسم علیہا لترضی فرضیت"

کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی ہونے کی قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہوگئیں۔

یہی نہیں بلکہ شرح نہج البلاغہ جزء دوم ص۲۰۰ میں ہے کہ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہوگئیں لکھا ہے:۔ "فمشی الیہا ابوبکر بعد ذٰلك وشفع لعمر وطلب الیہا فرضیت عنہ"

کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں گئے اور حضرت عمرؓ کی سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہوگئیں۔

(۱۰) دیکھنا چاہیئے کہ کیا اِس باغ میں صرف حضرت فاطمہؓ حصہ دار تھیں یا کوئی اور بھی۔ تو ہمیں قرآن کریم سے اموالِ رسول کے حصہ داروں کا پتہ چلتا ہے۔ سورۂ حشر میں ہے:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ" كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں سے۔ پس اللہ اور اسکے رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

باغ فدک چونکہ مال میں سے تھا۔ پس ظاہر ہے اس کے کتنے حصہ دار ہوسکتے تھے۔ اور یہ باغ صرف حضرت فاطمہؓ کو دے دینا کیسے اعتراض کا موجب ٹھہر سکتا تھا۔

باقی جہاں تک آیت "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ" کا تعلق ہے، یاد رکھنا چاہیئے کہ بیشک یہ آیت عام ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلعم بھی شریک ہوں جیسا کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وَانكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ میں خطاب عام ہے پھر بھی رسول کریم صلعم کی بیویاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح یوصیکم اللہ والی آیت ہے۔ اور ضروری نہیں کہ آیت یوصیکم اللہ سے حضورؐ کا استثناء قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے متعلق کئی استثناء قرآن کریم میں موجود ہیں۔ مثلاً یہ ظاہر ہے کہ آیت لَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ میں آنحضرت صلعم شریک نہیں کیونکہ حضورؐ کے والدین تو حضورؐ کے بچپن کے زمانہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس آیت سے حضورؐ کا استثناء قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ پس باغ فدک کے متعلق اعتراض کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

حدیث القرطاس

یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی آخری علالت میں کچھ وصیت کرنے کیلئے کاغذ قلم دوات مانگی اور آپؐ کو اس لئے نہ دی گئی کہ آپ حضرت علیؓ اور اہل بیت کے حق میں وصیت نہ کر سکیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ :۔

(۱) یہ روایت صرف ابن عباسؓ کی ہے جو عمر کے لحاظ سے صرف گیارہ برس کے تھے۔ اسلئے واقعات کے مکمل انضباط کا اہتمام یقینی نہیں۔

(۲) رسول اکرم صلعم کے ارشاد کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں۔ اس لئے اگر حضرت عمرؓ قلم دوات نہ لاکر دینے کے مجرم ہیں تو حضرت علیؓ بھی ہیں۔

(۳) جو گروہ یہ کہتا تھا کہ قلم دوات نہ لانا اچھا ہے وہ تو پھر بھی ایک حد تک الزام سے بری ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس حالت میں حضورؐ کو تکلیف دینا ہرگز مناسب نہیں لیکن جو گروہ یہ سمجھتا تھا کہ قلم دوات لاکر دینی چاہیئے اور پھر بھی اس نے لاکر نہیں دی وہ یقیناً ملزم ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھنے کے باوجود کہ قلم دوات لاکر دینی چاہیئے لاکر نہ دی۔

(۴) حضورؐ کے الفاظ قوموا عنی لا ینبغی عند النبی التنازع (میرے پاس سے اُٹھ کھڑے ہو۔ نبی کے پاس جھگڑا نہ کرنا چاہیئے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو قلم دوات نہ لاکر دینا بُرا نہیں لگا بلکہ حضورؐ کے قرب میں جھگڑا اور تنازع بُرا محسوس ہوا ہے۔

(۵) وہ کوئی ایسا پیغام نہ تھا جس کا پہنچانا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا ہی ہوتا اور حضورؐ نہ پہنچا سکے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے اس آیت کی تکمیل نہ فرمائی کہ:۔

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اگر ایسا پیغام ہوتا جو پہنچانا ضروری ہوتا اور حضورؐ اُسے نہ پہنچاتے تو حضورؐ کی نبوت کے منافی ٹھہرتا۔
پس قرطاس کے متعلق شیعوں کا اعتراض ان کے دوسرے اعتراضات کی طرح بالکل بے معنی اور غلط ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ حضرت علیؓ دوسرے خلفاء کی طرح اُنہیں کی لڑی کے ایک موتی تھے۔ نہ کہ کوئی الگ حصہ۔ پس چاروں کے چاروں خلفاء مل کر ہی خلافت راشدہ کے سلسلہ کی تکمیل کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا خلاء اس سلسلہ کو توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں خدا کے مقرر کردہ خلفاء تھے ؛

اِطّلاع

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کرتے وقت چِٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں کیونکہ اِس طرح دفتر کا بہت سا وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ نیز اپنی تبدیلیٔ ایڈریس سے بھی دفتر کو مطلع فرما دیا کریں۔ تا پرچہ باقاعدہ آپ کے پاس پہنچتا رہے۔

مینجر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

احمدیت کا مطمح نظر

(از جناب حافظ قدرت اللہ صاحب دارالمجاہدین)

احمدیت کیا چیز ہے

اِس کے متعلق علم حاصل کرنا کہ احمدیت کیا چیز ہے اِس مضمون کے لکھنے سے قبل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ دراصل مطمح نظر کا یہی ایک لحاظ سے خلاصہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ہمارا سوال بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

سو اس کے متعلق واضح رہے کہ احمدیت نہ کوئی نئی شریعت ہے اور نہ کوئی نیا دین ہے نہ یہ کوئی دُنیوی سوسائٹی ہے اور نہ یہ کوئی عام انسانی گروہ یا فرقہ ہے۔ بلکہ احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے اور اسلام کی نشأتِ ثانیہ کا نام ہے۔

مطمح نظر!

ہمارا مطمح نظر کوئی نیا مطمح نظر نہیں، بلکہ وہی ہے جو آج سے ۱۴۰۰ برس قبل اسلام کا تھا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلا دَور تکمیلِ شریعت کا تھا جیسا کہ کلام پاک میں اس کے متعلق صراحت سے ذکر ہے۔ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا۔ کہ آج ہم نے شریعتِ اسلامیہ کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے لئے اِسی دین کو ہم نے پسند کیا ہے۔

اِس کے بعد دوسرا دَور غلبۂ اسلام بر دیگر ادیانِ باطلہ کا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بوضاحت مذکور ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ۔ اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ تکمیلِ اشاعت کا کام آخری زمانہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوگا۔ جس کی طرف اشارہ و اٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم میں بھی ہے۔

جس طرح تکمیلِ شریعت کا کام ایک نبی کے ذریعہ سے ہوا اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے دَور کے لئے بھی ایک نبی ہی برپا ہو جس کے ذریعہ سے تلاوتِ آیات، تعلیم و حکمت آیات

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور تزکیۂ نفوس کا کام انجام پذیر ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر تکمیلِ اشاعتِ دین کا کام ناممکن ہے۔ اور یہ چار مقاصد بھی غیر نبی باحسن الوجوہ انجام نہیں دے سکتا۔ ہر دو دَور ایسی جماعت کا تقاضا کرتے ہیں جو تقویٰ و طہارت میں نمونہ ہو، خدا کی بادشاہت قائم کرنے والی ہو، ایثار و قربانی ان کا طریقِ کار ہو، دین کی عزت کو دُنیا کی خواہشات پر مقدم رکھنے والی ہو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہر دو دَور میں ایک پارسا جماعت قائم کی جائے۔

احمدیت جس بلند مقصد کو لیکر اُٹھی ہے وہ کوئی معمولی مقصد نہیں، بلکہ احمدیت دُنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اسلام کی مٹی ہوئی شان و شوکت کو پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اس اخلاص اور محبت کو جو صحابہؓ کے اندر تھی دوبارہ دُنیا میں ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ احمدیت اسی جوشِ ایمان اور ایثار و قربانی کا مظہر بننا چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا جس نے مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے اس نے خود کہا اور مسیح موعودؑ سے کہلوایا کہ:۔

"ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔" (تذکرہ)

یہ اہم مقصد اور مطمح نظر آسانی سے پیدا نہیں ہوگا اس کے لئے ہمیں مشکلات کو برداشت کرنا ہوگا۔ جب تک ہم میں سے ہر ایک فرد خدائی صفات کا مظہر نہ ہوگا، جب تک ہم میں سے ہر ایک فرد نیکی کا فرشتہ اور پاکیزگی کا مجسمہ نہ ہوگا یہ کام نہیں ہوسکتا۔

مطمح نظر کی صُورت و تجزیہ

ہمارے مطمح نظر کے تحت میں ایک لحاظ سے اگر ہم چاہیں تو بہت سے امور بھی لا سکتے ہیں مثلاً (۱) زندہ ایمان پیدا کرنا۔ اس ضمن میں بھی ہمارے مقاصد وسیع سے وسیع تر ہو سکتے ہیں۔ اللہ پر ایمان۔ اسکے ملائکہ پر، یوم آخر پر، قضاء و قدر پر، اس کی کتابوں پر ایمان۔ غرض اس کی کافی شقیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور وہ سب کی سب ایسی ہیں جو مطمح نظر سے باہر نہیں ہیں بلکہ ہمیں شامل ہیں۔

دوسرے نمبر پر یہ کہ اسلام کی خوبیوں کو، اس کے دلائل و براہین کو، اس کے دلائل و حجج کو دُنیا کے سامنے مبرہن طور پر اس کی اصلی اور حقیقی صورت میں پیش کرنا ہے۔ لوگوں کے غلط خیالات کو صحیح اور درست کرنا ہے۔ اس کے متعلق بدگمانیوں کو دُور کرنا ہے۔ اور اسی طرح اسی قسم کے اور اس کے لوازمات سرانجام دینا بھی ہمارا مطمح نظر ہے۔ کیونکہ تکمیلِ اشاعت کیلئے یہ چیزیں ازبس ضروری ہیں۔

تیسرے نمبر پر مثلاً یہ کہ پھر جو حملے اسلام پر ہوں، جو اعتراضات اس پر وارد ہوں دُشمن

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسلام کے خلاف جو حربے استعمال کرے اُس کا دفاع کرنا بھی ہمارا عین فرض اور مطمح نظر ہے۔ جو قوم اپنے دفاعی مورچے تیار نہیں کرتی وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔

چوتھے نمبر پر مثلاً یہ کہ آخر کار جب دُنیا آستانۂ وحدت پر متحد ہو جائیگی اور وہ دُنیا حال کی دُنیا نہ رہیگی اُس وقت اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائیگا۔ اُسوقت امن ہوگا، سلامتی ہوگی، وہ پیغام جو صلح و امن کا شہزادہ اِس دُنیا کے لئے لایا تھا حقیقی طور پر جلوہ گر ہوگا۔ اور وہ دن یقیناً اسلام کی صداقت کا دن ہوگا۔ کفر و الحاد مٹ چکا ہوگا۔ تمام اندھیروں کو خدا تعالیٰ کے نور کی شعاعیں منور کر رہی ہونگی۔ عیسائیت کی تباہ کاریوں کا خاتمہ ہوگا۔ دجّال کے دجل و فریب کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور ضروری ہے کہ فتنہ پاش پاش ہو کہ مسیح موعودؑ کے آنے کی یہی غرض ہے۔ اور وہ پوری ہو کر رہیگی جیسے کہ حضورؑ فرماتے ہیں:-

"مَیں ہر دم اسی فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی۔ نیز اب اس کا بیٹا ضرور مریگا۔۔۔۔ اور وہ تمام استعدادیں بھی مریگی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھیگا۔۔۔۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹیگا نہ کُند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ ۔۔۔۔ اُسدن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔"

مطمح نظر کی موٹی دو صورتیں

مطمح نظر کو دو شقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو قومی اور اجتماعی رنگ رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے نظام دُنیا پر اُتر پڑے گا۔ ایک نیا نظام قائم ہوگا۔ اور نئی دُنیا ہوگی۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں اور بشارتیں ہیں جن کا کچھ ذکر پہلے گذر چکا ہے اور کچھ بعد میں کیا جائیگا۔

دوسرا حصہ مطمح نظر کا وہ ہے جو انفرادی حیثیت رکھتا ہے جس کا تعلق ہر فردِ اسلامی و احمدی کے ساتھ ہے۔ اور وہ گویا براہِ راست حضرت مسیح موعودؑ کی اُن تعلیمات کا مخاطب ہے، جو اصلاحِ نفس کے لئے آپؑ نے اپنی جماعت کو دیں۔ اور نیک اعمال کی تحریک کی ہے یعنی تقویٰ اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

طہارت کی ہدایات دی ہیں۔

اجتماعی اور قومی ترقی کے متعلق جیسا کہ حضورؑ نے بارہا فرمایا ہے کہ ہمارا مقصد اور مطمح نظر اس دُنیا میں عظیم الشان انقلاب پیدا کرنا ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اور ایک دن کی یہ حالت ہوگی کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے"۔

تبلیغ کا کناروں تک پہنچنا اپنے اندر ایک وسیع حقیقت رکھتا ہے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ چار پانچ آدمی دُنیا کے کناروں کے احمدی ہوجائیں تو یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ بلکہ واقعی اس سے مقصد یہ ہے کہ احمدیت دُنیا کے کناروں تک اچھی طرح پھیل جائیگی۔

مطمح نظر کے ۳ حصے

ہمارا مطمح نظر نظامِ نَو کی تعمیر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کیا ہوگا، اور کیسے ہوگا۔ اس کے متعلق مَیں محترم ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ایک مضمون سے کچھ حصہ وضاحت کے لئے سامنے لاتا ہوں۔ آپ نے نظامِ نَو سے یہ مراد لیا ہے۔

"راستباز متقی انسانوں کی ایک ایسی مقدس جماعت جن کے دلوں، دماغوں، جانوں اور جسموں پر مبارک شریعت غرّاءِ اسلام کو کھڑا کیا جاسکے۔ اور جسے کوئی زلزلہ، کوئی پانی، کوئی جانور، کوئی بوسیدگی اور کوئی حملہ دشمن کا کمزور نہ کرسکے ...." چنانچہ دُنیا کی دیگر تعمیروں کی طرح اس بُنیاد کے لئے بھی ۳ چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ ایمان، یقین اور تقوی اللہ۔ (۲) ایسے لوگ جو ان صفات سے بکمال متصف ہوں۔ (۳) نہ صرف کچھ لوگ ایسے ہوں بلکہ جہاں جہاں اور جس جس مُلک میں یہ نظام پھیلتا چلا جائے وہاں ان کی اکثریت ہو اور ہوتی چلی جائے۔ پس یہی چیز احمدیت کا مطمح نظر ہے۔

اِس موضوع کے تحت میں "کیسے" ہی کے متعلق بیان کرنا نہیں آتا بلکہ "کیا"؟ کے متعلق بھی بیان کرنا ہے مجمل لفظ جس کے لئے صرف یہ ہے کہ "صحیح حقیقی اسلامی نظام ہو دُنیا میں قائم کرنا"۔

دُنیا کے نظام مختلف حصوں میں منقسم ہیں۔ تمدنی نظام ہے، معاشرتی نظام ہے۔ اسکے علاوہ اخلاقی اور مذہبی نظام جس کی بنا روحانیت پر رکھنا ہی صحیح ہے۔ غرض یہ تمام نظام جو دُنیا میں نظر آتے ہیں ان تمام کو بدلکر اسلامی نظام میں تبدیلی کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اور اِسی طریق پر دُنیا کا امن قائم رہ سکتا ہے۔ اِس نظام کے قائم کرنے میں "نظام الوصیت" کا بڑا حصہ ہوگا۔ اسکے ذریعہ سے لوگوں کو امن ملیگا، غرباء کو پیٹ بھر کر کھانا دیا جائیگا، آسودہ حالی کا دَور دَورہ ہوگا، تمام دُنیا کی جائدادوں کا کثیر حصہ احمدی حکومت کے زیر انتظام ہوگا اور اس سے لوگوں کی ضروریات کا خیال

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رکھا جائیگا اور ہر ایک محتاج کی حاجت روائی کیجائی - اور دراصل یہی مطمحِ نظر ہے جس کی کوشش میں ہر احمدی کو کوشاں رہنا ضروری ہے ۔

ذریعہ حصول

اس نظام کے حصول کیلئے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں اور انہی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں توجہ دلائی ہے ۔ایک امر انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا کام ہے جس کے ذریعہ سے جماعت پھیلیگی اور اسکی کثرت ہوتی چلی جائیگی - یہانتک کہ تمام روئے زمین پر احمدیوں کا ہی غلبہ دکھائی دے گا ۔

دوسرا قدم جو اسکے ساتھ ساتھ ہی جاری رہیگا اور جس کا جاری رہنا نہایت ہی ضروری ہے ۔وہ تربیتِ افراد اور جماعت کا کام ہے ۔ یہ کام اگر صحیح رنگ میں نہ ہو سکا تو پھر تبلیغ بالکل بے نتیجہ ثابت ہوگی ۔ اس کثرت کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسکے قلوب میں نورِ ایمان کی شمع نہ جل رہی ہو ۔اگر احمدی کے اخلاق اچھے نہ ہونگے تو وہ احمدی کس کام کا ۔ پھر انقلاب کیا پیدا ہوا اور مسیح موعودؑ کی بعثت بالکل بیکار اور اکارت جائیگی ۔پس یہ انقلاب ایک حقیقی تبدیلی کا طلبگار ہے ۔ پچھلی عمارت جو بوسیدہ اور خراب ہو چکی ہے ۔لوگوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اسکو بالکل مسمار کر کے ایک نئی عمارت قائم کی جائیگی ۔ تاکہ وہ اہم مقصد جسکے لئے خدا نے اپنے مسیح کو بھیجا ہے وہ پورا ہو ۔ ورنہ اہالیانِ حکومت کے صرف نام بدلنا جبکہ ان کے دل احمدیوں کے دل نہ ہوں گے کوئی حقیقت نہیں رکھتا ۔جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے خطبۂ جمعہ میں فرماتے ہیں :-

"ایک تیسرا گروہ احمدیوں کا ہے جو سمجھتا ہے کہ احمدیوں کیلئے بادشاہت مقدر نہیں بلکہ ایک عظیم الشان انقلاب مقدر ہے ۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو دنیا میں پھیلادیگا ، اور طاقت احمدیوں کے ہاتھ میں آجائیگی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت اسی طرح جس طرح کہ اب دوسروں کے ہاتھ میں ہو احمدیوں کے ہاتھ میں منتقل ہو جائیگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک ڈاکٹر جسم کے گندے پھوڑے کو چیر پھاڑ کر صاف کرتا اور گندہ مواد نکالکر اُسے دھوتا ہے اسی طرح ایک وقت آنیوالا ہے جب احمدیوں کے ہاتھ میں نشتر دیا جائیگا اور وہ سر سے لیکر پیر تک جسم انسانی کو پھاڑینگے اور ہر جگہ سے پیپ اور گندے مواد کو خارج کر کے اور دھو دھا کر صاف کر کے ٹانکے لگائینگے ۔ اور صحیح احمدی وہی ہے جو اس بات کو سمجھتا ہے ۔ ایسا احمدی معلوم کرتا ہے کہ قرآن کریم دنیا میں کس قسم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے ۔ اور خوب سمجھتا ہے کہ میرے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں ۔ رسول کریم صلعم کا مقصد کیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا مشن لیکر آئے تھے اور کس قسم کا تغیر دنیا میں پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تغیر کو پیدا کرنے کے صحیح ذرائع کیا ہیں؟ اقتصادی طور پر کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ دُنیا سے اِس اقتصادی نظام کو منوایا جاسکے جو اسلام دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ کونسے علوم ہیں جو سیکھوں تا کہ دُنیا کو بھی اس طرح سکھا سکوں۔ وہ سائنس، اخلاق، فلسفہ غرضیکہ ہر شعبۂ علم کے متعلق سوچتا ہے کہ انہیں اسلامی تعلیم کے مطابق کرنے کے لئے کیا تبدیلیاں ضروری ہیں۔"

سچا احمدی

پھر فرماتے ہیں۔ "صحیح معنوں میں احمدی وہی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیت کے دُنیا میں غالب آجانیکے معنے یہ ہیں کہ یورپ، امریکہ، جاپان، چین غرضیکہ دُنیا کے ہر مُلک کے بڑے بڑے مؤرخ، فلاسفر، سائنسدان لائے جائینگے اور ان سے کہا جائیگا کہ یہ تمہارے شاگرد ہیں انکو پڑھاؤ اور پھر اسکے لئے تیاری کرتے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئیے کہ کتنے ہیں جو ان لوگوں کو پڑھا سکینگے۔"

پھر فرماتے ہیں "کہ رسول کریم صلعم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کرنیوالا وہی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ آپ کی بعثت کی غرض یہ ہے کہ دُنیا کے خیالات، عقائد اور مذاہب میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ جسے پیدا کرنا اسلام کا مقصد ہے اور یہی ایک ایسی چیز ہے جسے تسلیم کر کے ہم دُنیا کے سامنے گردنیں بلند کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک ایسے مقصد کو لیکر کھڑے ہوئے ہیں جو دُنیا میں اور کسی کا نہیں" (الفضل ۲۳ اپریل ۴۵ء)

حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بارہا جماعت سے خطاب کر کے اُسے اسکی ذمہ واریوں اور اصلاحی امور کیطرف توجہ دلائی ہے۔

چنانچہ کشتی نوح میں حضورؑ فرماتے ہیں:۔ "سو اے وے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اُسوقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے ... کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے ... خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔"

پھر فرماتے ہیں "یہ مت خیال کرو کہ ہمنے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ کہ گناہ ایک زہر ہے اسکو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دُنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کیطرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص حقیقت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دین کو دُنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پُورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے اور رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بدرفیق کو نہیں چھوڑتا جو اُسپر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلافِ قرآن نہیں ہیں انکی بات کو نہیں مانتا اور انکی تعہدِ خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اسکے اقارب سے نرمی اور احسان کیساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گنہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس عہد کو جو اُس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کیلئے طیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور انکا ہمنشیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانیوالا۔ جو افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔" یہ وہ ہمارا مطمحِ نظر ہے جسکو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا ہر سچے احمدی کا فرضِ اوّلیں ہے۔ اور یہی وہ گُر ہے جسکے واسطہ سے ہم اسلام کا حقیقی گوہرِ مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قومی ترقی کا سارا انحصار انفرادی اصلاح پر مبنی ہے۔ اگر اس بُنیاد کو ہٹا دیا جائے تو عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی پھر تقریر جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۰۶ء میں حضور فرماتے ہیں :۔ "ایسا نہ ہو کہ بار بار تم مجھ سے یہ نصائح سنو اور پھر عمل نہ کرو۔ ہنگامہ پردازی سے بچو۔ دشمنوں کیساتھ نرمی کرو۔ ۔ ۔ خدا کو راضی کرو۔ لا الہ الا اللہ کا یہی مضمون ہے۔ اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کیواسطے مداہنہ سے پیش آؤ گے تو اسمیں تمہیں ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنی تقریر جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۱۶ء میں فرماتے ہیں :۔ "تم یہ مت سمجھو کہ اب ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کریگا وہ گر جائیگا۔ اسلئے ہر دم اور ہر گھڑی آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔" یہ تمام امور ہمارے مطمحِ نظر ہیں جن کو مختلف رنگوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ انسان کو حقیقی انسانیت کا مظہر بنانے آیا ہے اسلئے انسانیت کے مفہوم کے اندر یہ تمام امور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

باحسن الوجوہ آجاتے ہیں۔ انسان اگر صحیح انسان بننے کی کوشش کرے تو دراصل یہی احمدیت کا مطمح نظر ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمۂ مسیحی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں :- "خدا میرے ہاتھ پر ایسی تبدیلی پیدا کریگا کہ گویا آسمان و زمین نئے ہو جائینگے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔" احمدیت کا مطمح نظر سفر آخرت کیلئے صحیح رنگ میں تیار ہونا بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں :-

"اے میری جماعت خدا تعالیٰ آپ لوگوں کیساتھ ہو۔ وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفر آخرت کیلئے ایسا طیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب طیار کئے گئے تھے۔ خوب یاد رکھو کہ دُنیا کچھ چیز نہیں ہے لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کیلئے ہے۔ ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر اپنے تئیں میری جماعت میں داخل کرتا ہے کیونکہ وہ اس خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائیگی۔"

پھر فرماتے ہیں :- "اے میری عزیز جماعت یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔"

پھر فرماتے ہیں :- "خدا اس جماعت کو ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جسکے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آوے۔ اور جو تقوےٰ وطہارت کے اوّل درجہ پر قائم ہوں۔ اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دُنیا پر مقدم کر لیا ہو لیکن وہ مفسد لوگ جو میرے ہاتھ کے نیچے ہاتھ رکھکر اور یہ کہکر کہ ہمنے دین کو دُنیا پر مقدم کیا پھر وہ اپنے گھروں میں جاکر ایسے مفاسد میں مشغول ہو جائیں کہ صرف دُنیا ہی دُنیا اُنکے دلوں میں ہوتی ہے۔ نہ انکی نظر پاک ہے، نہ انکا دل پاک ہے اور نہ اُنکے ہاتھوں سے کوئی نیکی ہوتی ہے اور نہ اُن کے پَیر کسی نیک کام کیلئے حرکت کرتے ہیں اور وہ اُس چوہے کیطرح ہیں جو تاریکی میں ہی پرورش پاتا ہے اور اسی میں رہتا اور اسی میں مرتا ہے وہ آسمان پر ہمارے سلسلہ میں سے کاٹے گئے ہیں۔"

یہ تمام نصائح حضورؑ بار بار اسلئے فرماتے ہیں کہ یہ امور ہمارے پیش نظر ہیں۔ یہی ہمارا مقصود ہو اور یہی ہمارا مطمح نظر۔ اگر اس حد تک ہماری اصلاح ہو جائیگی تو جماعتی طور پر بھی کامیابی ہمارے قدم چومیگی اور پھر وہ دن قریب تر ہوگا بلکہ وہی دن ہوگا جو حقیقی انقلاب کیلئے مقدر ہے۔

نئے نظام کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کھنڈر کو صاف کرنا کوئی بُرا کام نہیں بلکہ بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ اور وفات مسیح کو تسلیم کرنیکے یہ معنے ہیں کہ ہمنے اس کھنڈر کو ہٹا دیا ہے کسی کھنڈر کو اگر ہٹا دیا جائے تو اسکی یہ غرض ہوتی ہے کہ وہاں نئی عمارت بنائی جائے ۔ ۔ ۔ پس نئی عمارت کا بنایا جانا زیادہ اہم ہے اور وہی دراصل مقصود ہے ۔ ۔ ۔"

پھر فرماتے ہیں :- "پس اسکی حفاظت کیلئے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہم اسے پھیلا دیں تا اگر اکثر حکومتیں بھی اسے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مٹا دیں تب بھی ایسی جگہیں باقی رہ جائیں جہاں احمدیت پوری شان کیساتھ قائم ہو اور ترقی کیطرف قدم اٹھا سکے"

دوسرے اُسے زمانہ کے لحاظ سے قائم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اُسے ساری دُنیا میں قائم کر دیں لیکن ہماری آئندہ نسلیں احمدیت پر مضبوط نہ ہوں تو ہماری ساری محنت رائگاں جائیگی۔۔۔۔ پس ہمارا فرض ہے کہ اُسے نہ صرف مقام کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی مضبوط کریں اور اُسے سینکڑوں ہزاروں سال تک پھیلانے کا انتظام کریں۔" (الفضل ۱۵ر نومبر ۳۸ء)

پھر انہی دو صورتوں کا دوسری جگہ وضاحت سے ذکر فرماتے ہیں:۔ "غرض احمدیت کی ترقی کیساتھ اسلام کی ترقی اور اسلام کی ترقی کیساتھ دُنیا کی ترقی وابستہ ہے اور دو کام کرنے احمدیت کی ترقی کیلئے نہایت ضروری ہیں (یعنی پہلے تو اسلام اور دُنیا کی ترقی بطور مطمحِ نظر ذکر ہوئے ہیں۔ پھر اسکے بعد ذریعہ حصول ذکر کیا گیا ہے۔ ناقل) ایک تعلیم و تربیت کا اور دوسرا تبلیغ و اشاعت کا۔ انکے بغیر نہ جماعت پھیل سکتی ہے اور نہ اسکے پھیلنے کا کوئی فائدہ ہے۔۔۔ فرض کرو احمدی ساری دُنیا میں پھیل جائیں مگر مذہبی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور تعلیمی ماحول وہی رہے جو پہلے تھا تو ابھی احمدیت کے پھیلنے کا فائدہ کیا۔ اور اگر احمدیوں میں وہ روح نہ ہو جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور ایک ظالم کی بجائے اگر دوسرا ظالم کھڑا ہو گیا تو اس سے بنی نوع انسان کو کیا فائدہ پہنچیگا پس تبلیغ اور تعلیم و تربیت دونوں نہایت ہی اہم کام ہیں۔" (الفضل ۱۴ر نومبر ۳۸ء)

ان مذکورہ بالا حوالجات میں احمدیت کا مطمح نظر جس احسن پیرایہ میں حضور نے بیان فرمایا ہے وہ گویا تمام تفصیلات کی روح ہے۔ اصل مقصد اس سے یہی ہے کہ ایک نئی اسلامی دُنیا کے پیدا کرنیکی طرف ہماری تمام توجہ صرف ہو۔ وہی ہر وقت ہمارے پیشِ نظر رہے اور اسی کو ہم اپنی زندگی کا مقصود تصوّر کریں۔

انسان کا مقصود

اگر اس مضمون کو ہم اور زیادہ مختصر کرنا چاہیں اور یہ معلوم کرنا چاہیں کہ کونسی ایک چیز ہے جسکے لئے احمدیت کا قیام ہوا ہے۔ تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت سہل انداز میں ہمارے سامنے رکھدیا ہے۔ احمدیت اور اسلام ہی کا وہ نصب العین نہیں بلکہ ہر جن و انس کا مطمح نظر اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کہ دُنیا کو پیدا کرنے سے مقصد ہی یہی ہے کہ لوگ صرف خدا کے بندے ہو جائیں اور اسی اصل کو کلمہ طیبہ میں بیان کرتے ہوئے دو حصے کر دیئے گئے ہیں:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ　اور　مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یعنی دُنیا میں توحید کا قیام تمہارا مقصود ہو۔ اور چونکہ توحید کا عظیم الشان واحد علمبردار اسوقت صرف محمد صلعم ہے اسلئے اسکے آستانہ پر گرنا ہی لوگوں کیلئے کامیابی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہی توحید کا صحیح راستہ دکھانیوالا کامل ہنما ہے پس یہ تمام ہمارے مطامحِ نظر ہیں جنکو مختلف طرق سے مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ راستے بہت سے نظر آئینگے،

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لیکن مقصود ایک ہی ہے۔ ہمارا مطمح نظر بہت اہم اور بلند ہے۔ ہمیں ایک عزم کی ضرورت ہے۔

حضور فرماتے ہیں۔ "جماعت کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں ایک عزم اور ارادہ لیکر کھڑے ہوں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے۔"

پھر فرماتے ہیں۔ "موجودہ دُنیا کی کایا پلٹنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ دُنیا کی تہذیب اور دُنیا کے تمدن کی عمارت جو اِس وقت قائم ہے اسکی صفائی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکی لپائی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکو پوچنے کیلئے... اسپر رنگ اور روغن کرنے کیلئے... اس کا پلستر بدلنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے۔ اسکی چھت پر مٹی ڈالنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں بھیجے گئے... بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے بھیجا ہے کہ توڑ دو اس تہذیب و تمدن کی عمارت کو جو اسوقت کھڑی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اس قلعے کو جو انسانوں نے اسمیں بنایا ہے۔ اسے زمین کیساتھ لگا دو، بلکہ اسکی جڑ اکھیڑ کر پھینکدو۔ اور اسکی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ میں تمہیں دیتا ہوں... اسکی جگہ نئی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو، ہمارا کام ہے۔" (مشعل راہ)

اسی ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے دُنیا کی موجودہ سلطنتوں کو، دُنیا کے موجودہ مذاہب کو، اور دُنیا کے موجودہ تمدن کو، دُنیا کی اقتصادی انجمنوں کے نظام کو اور ان سب کو بدلکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کو قائم کرنا ہے... ہمارے سامنے ایک ہی بات ہونی چاہئیے اور وہ یہ کہ ہم اس ذمہ واری کو پوری طرح ادا کریں جو خدا تعالےٰ نے ہم پر رکھی ہے۔ اور ہم اپنی زندگی کے ہر لحمہ کو اپنی طاقتوں اور سامانوں کو کلی طور پر اس لئے صرف کریں کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت جس طرح آسمان پر ہے زمین پر بھی قائم ہو۔" (الفضل ۲۷ دسمبر ۳۸ء)

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ان مقاصد کے حصول کی توفیق عطاء فرمائے۔ مطمح نظر بہت بلند اور منزل بہت کٹھن ہے۔ اور جب تک اس کی تائید شامل حال نہ ہو ہمارے ناکارہ وجود کیا کام کرسکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق ۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وادیٔ بکّہ میں برکاتِ شریعت کا نزول

کتاب زبور میں ——— ایک عظیم الشّان پیشگوئی

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب اکونٹنٹ کالونی فلور ملز لائلپور)

(الف) خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ... قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۳/۹۵ تا ۹۸)

"پہلا گھر جو لوگوں کے افادہ (روحانی) کیلئے تعمیر کیا گیا یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے۔ وہ برکت دیا گیا ہے اور اقوام عالم کیلئے ہدایت و رُشد کا موجب ہے۔ اس کے متعلق بڑی کُھلی پیشگوئیاں ہیں مقام ابراہیم (اسی میں) ہے۔ اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ گویا امن میں آگیا.... کہو اے اہل کتاب کیوں اُسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو جو ایمان لائے تم اس کیلئے ٹیڑھا پن چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اسکی عظمت کے) گواہ ہو اور اللہ غافل نہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔"

(ب) پھر آیاتِ تحویلِ کعبہ میں بھی یہی اشارہ کیا گیا فرمایا.... وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۲/۱۴۲)

"اور اہل کتاب صُحفِ سماوی کی رُو سے خوب جانتے ہیں کہ یقیناً وہ (کعبۃ اللہ) تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ غافل نہیں اس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔"

اِن آیاتِ بیّنات سے صاف ظاہر ہے کہ بیت اللہ کے بارہ میں صُحفِ سماوی میں کُھلی کُھلی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ میں اب وادیٔ بکہ اور کعبۃ اللہ کے متعلق کتاب زبور کی ایک روشن پیشگوئی درج کی جائیگی جو پیشگوئی کہ قرآن مجید کے مذکورہ دعویٰ پر صاد کر رہی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے علم پاکر مکہ معظمہ اور کعبۃ اللہ کے متعلق ایک پیشگوئی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اِس مقدس شہر اور اِس مقدس گھر کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں۔ یہ پیشگوئی وادیٔ بکہ میں برکاتِ شریعت کے نزول اور ایک مقدس انسان اور اسکی مقدس اُمت کے ذکر پر مشتمل ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

زبور ۸۴ باب

"اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں۔ میری روح خداوند کی بارگاہوں کیلئے آرزومند بلکہ گداز ہوتی ہے میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کیلئے گیت گاتا ہے چڑیا کو ٹھکانا مل گیا اور ابابیل کو گھونسلا جہاں وہ اپنے بچے رکھے + تیرے مذبح اے لشکروں کے خداوند میرے بادشاہ میرے خدا + مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ تیری ستائش کرینگے + سلاہ + مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ انکے دلوں میں تیری طرف سیڑھیاں ہیں۔ وہ بکا کی وادی میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بنا دیتے ہیں۔ پہلی برسات اُسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ وہ قوت سے قوت تک (یا قافلہ بہ قافلہ) ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے آگے صیہوں میں حاضر ہوتے ہیں۔

اے خداوند ربّ الافواج میری دُعا قبول کر۔ اے یعقوب کے خدا کان دھر دیکھ اور اپنے ممسوح کے چہرے پر نظر کر کیونکہ تیری بارگاہوں میں میرے لئے ایکدن ایک ہزار سے بہتر ہے میرے لئے خدا کے گھر کی دربانی شریروں کے خیموں میں رہنے کی نسبت بہتر ہے۔ کیونکہ خداوند ایک آفتاب ہے اور سپر ہے۔ خداوند فضل اور جلال بخشتا ہے۔ ان لوگوں سے جو صراط مستقیم پر قدم مارتے ہیں کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا۔ مبارک وہ انسان جسے تیرا بھروسا ہے"

تراجم میں اختلاف

پیشتر اسکے کہ اس پیشگوئی کو واقعات سے مطابقت دیجائے یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ زبور کی ایک آیت کے ترجمے میں اختلاف کیا جاتا ہے۔

(۱) پراٹسٹنٹ بائبل میں وہ آیت یوں ہے "پہلی برسات اُسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے"

(۲) کیتھولک بائبل میں بایں الفاظ ترجمہ کیا گیا ہے "کیونکہ واضع قانون (یعنی شریعت وضع کرنیوالا یا نازل کرنیوالا) ان کو برکتوں سے ڈھانپ دیگا۔

(۳) عربی بائبل مطبوعہ بیروت سال ۱۹۱۲ء میں یہ ساری آیت اس طرح درج ہے "عابرین فی وادی البکاءِ یصیرونہ ینبوعاً ایضاً ببرکات یغطون مورۃ"۔ "وہ وادی البکاء میں گذر کرتے ہوئے اُسے ایک کنواں بناتے اور برکتوں سے مورۃ کو ڈھانک لیتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ پہلے دو ترجموں میں مقام مورۃ کا ذکر مفقود ہے۔ شائد اس مقام کی تعیین نہ ہوسکنے کے باعث اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے یا پھر یہ تحریف لفظی ہے۔

پیشگوئی کا استقصا

مندرجہ بالا پیشگوئی میں ذیل کی نو (۹) باتیں قابل غور ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کسی مقدس مقام کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں جو اُنکے وطنِ مالوف سے کہیں دُور ہے۔

(۲-۳) جس میں بیت اللہ ہے اور قربان گاہ بھی ہے۔

(۴) وہ مقام وادیٔ بکاء کے نام سے مشہور ہے۔

(۵) وہیں مقام مورة بھی ہے جو کہ برکتوں سے ڈھانپ دیا جائیگا۔

(۶) وہاں ایک مقدس انسان اور اسکی مقدس امت کے ذریعہ (جنکو خدا تعالیٰ کی طرف سے قوت دی گئی) ہمیشہ خدا کی ستائش ہوگی۔

(۷) وہاں ایک شریعت نازل کی جائیگی جسکی آبشاریں اس وادی کو سیراب کریں گی۔

(۸) مذکورہ انسان کی اُمت قافلہ بہ قافلہ ترقی کرتی جائیگی یہانتک کہ خدا کے آگے صیہوں میں حاضر ہوگی۔

(۹) اس اُمت سے جو کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والی ہے دُنیا کی کوئی اچھی چیز دریغ نہ کی جائے گی۔

یہ نو نشانات دُنیا کی تاریخ میں صرف آنحضرتؐ اور آپؐ کی مقدس امت میں ہی جمع کئے گئے تفصیل ملاحظہ ہو:۔

وادیٔ غیر ذی زرع کیلئے اشتیاق

مذکورہ زبور کو بغور پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کسی مقدس مقام کی زیارت کیلئے بیتاب ہیں اور کہتے ہیں "خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں۔ میری جان خداوند کی بارگاہوں کیلئے آرزومند بلکہ گداز رہتی ہے" "تیری بارگاہوں میں میرے لئے ایکدن ایکہزار سال سے بہتر ہے" پس صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس مقام کی زیارت کیلئے ہمہ تن مشتاق ہیں وہ ان کے وطنِ مالوف سے دُور ہے۔ ورنہ یروشلم اور بیت مقدس کی زیارت تو انکو ہر آن نصیب تھی۔ یا ان کے لئے بالکل سہل الحصول تھی۔ چنانچہ اپنی ایک دوسری زبور میں یہ وضاحت کر دیتے ہیں۔ فرمایا:۔

"اے خدا تو میرا خدا ہے۔ میں صبحدم تجھکو تلاش کروں گا۔ میری جان تیری پیاسی ہے اور میرا جسم خشک ماندہ۔ اور دھوپ کی جلی ہوئی زمین میں جہاں پانی نہیں تیرا مشتاق ہے۔ تاکہ تیری قدرت اور تیری حشمت کو دیکھے جیسا کہ میں نے بیت مقدس میں دیکھا ہے۔" (زبور ۶۳[۱] ۱-۲)

اِس زبور سے ظاہر ہے کہ بیت مقدس کا وصال تو ان کو حاصل ہے۔ انکا دل مشتاق ہے تو کسی

---

[۱] زبور ۶۳ باب کا عنوان ہے "داؤد کا زبور جب وہ دشتِ یہودہ میں تھا" اِس عنوان سے کسی کو دھوکا نہ لگے اِس قسم کے سب عنوانات فرضی ہیں۔ چنانچہ پادری ولیم جی بلیکی صاحب ڈی ڈی اپنی کتاب "تاریخ بائیبل" کے صفحہ ۲۸۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایسی سرزمین کیلئے جو بیت مقدس سے دُور ہے۔ جو خشک، ماندہ اور دُھوپ میں جلی ہوئی زمین ہے۔ جہاں پانی نہیں ملتا۔ اس سرزمین میں حضرت داوٗد علیہ السلام خدا تعالیٰ کے جلوہ کیلئے آرزومند ہیں۔ یہ وہی زمین ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں "وادیٔ غیر ذی زرع" قرار دیا گیا۔ حدیث میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ کو اس زمین میں تنہا چھوڑ کر خود واپس جانیکو ہیں تو آپ پوچھتی ہیں۔ یا ابراھیم این تذھب و تترکنا بھذا الوادی الذی لیس فیہ انسٌ ولا شیءٌ (بخاری کتاب الانبیاء) کہ اے ابراہیمؑ! کہاں جاتے ہو ہمیں ایسی وادی میں چھوڑتے ہوئے جہاں نہ کوئی متنفس ہے نہ کوئی اور چیز۔ یہی وادی ہے جس کا ذکر زیرِ نظر زبور میں ہم پاتے ہیں۔

وادیٔ بکا میں برکاتِ شریعت کا نزول!

آگے حضرت داوٗد علیہ السلام خود وضاحت فرما دیتے ہیں کہ وہ مقام جسکی زیارت کے لئے میری آنکھیں ترس رہی ہیں اور جس کیلئے میری جان پیاسی ہے وہ وہی ہے جسے وادی البکاء کہتے ہیں جسمیں خدا کا گھر ہے اور قربانگاہ بھی۔ جس مقام میں ایک مبارک انسان اور اسکی مقدس اُمت وارد ہوگی۔ فرمایا:۔

"تیرے مذبح اے لشکروں کے خداوند میرے بادشاہ اور میرے خدا + مبارک وے ہیں جو تیرے گھر (بیت اللہ) میں بستے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ تیری ستائش کرینگے۔ مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ انکے دلوں میں (منازلِ سلوک طے کرنے کیلئے) تیری طرف سیڑھیاں ہیں۔ وہ بکا کی وادی میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بنا دیتے ہیں۔ شریعت نازل کرنیوالا ان کو برکتوں سے ڈھانپ دیگا۔"

اِن آیات میں وادیٔ بکّہ کی روحانی آبپاشی کا ذکر ہے جو کہ ایک شریعت کے ذریعہ مقدر تھی۔ وہ شریعت ایک ایسے انسان پر نازل ہونیوالی تھی جس میں سب قوت خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی۔ وہ

بقیہ حاشیہ ص۴۴۔ پر لکھتے ہیں۔ "علمائے بائبل کیطرف سے اکثر یہ کوشش کیجاتی ہے کہ داوٗد کے زبوروں میں سے ہر زبور کیلئے اس کی زندگی میں سے کوئی ایسا واقعہ تلاش کیا جائے جسکی طرف وہ زبور اشارہ کرتا ہو لیکن یہ کوشش بہت کامیاب نہیں ہوئی۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ زبور عموماً ایسے مفید نہ ہوتے ..... اگر ہر زبور کیلئے اس کا موقعہ پختگی کے ساتھ ظاہر کیا جاتا۔" پس ظاہر ہے کہ یہ سب عنوان فرضی ہیں اور جب حضرت داوٗدؑ کا "دشتِ فاران" یا "حجاز" میں آنا ثابت ہے تو ہم مجاز ہیں کہ اس زبور کو حضرت داوٗدؑ کے ورودِ حجاز پر منطبق کریں۔ جبکہ دوسرے قرائن بھی اس کی تائید میں ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انسانِ کامل ایک پاک اُمت کا پیشوا ہوگا جس اُمت کے ذریعہ ہمیشہ ہمیش کیلئے خدا کی ستائش کی جائیگی۔

یاد رہے کہ بکہ اور مکہ ایک ہی نام کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ چنانچہ مکہ معظمہ کا نام قرآن مجید میں بکہ وارد ہوا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں اس مقام کو ایک وادی قرار دیا گیا۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ پس ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جس وادیٔ بکا کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہے جس کو مذکورہ دُعا میں وادی غیر ذی زرع قرار دیا گیا جس میں کعبۃ اللہ موجود ہے۔

"ورودِ صیہون"

"وے قافلہ بہ قافلہ ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوتے ہیں۔"

اب واقعات کی روشنی میں دیکھ لیجئے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت مدینہ منورہ میں آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ پھر دس ہزار قدوسیوں پر مشتمل یہ اُمت صیہون یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوئی (صیہون کے معنے ریتلی اور خشک زمین کے ہیں) اِس پیشگوئی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صیہون نہیں جو یروشلم میں ہے بلکہ وہ صیہون ہے جس کا تعلق وادیٔ بکہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس زبور میں وادیٔ بکہ اور صیہون کا ذکر ایک جا کیا گیا۔ اور ویسے بھی بائیبل سے ثابت ہے کہ دو یروشلم ہیں، ایک ہاجرہ کا اور ایک سارہ کا (گلاتیوں ۴/۲۵) تو لازماً صیہون بھی دو ہوئے۔ کیونکہ صیہون یروشلم میں واقع ہے۔ پس جس صیہون کا یہاں ذکر ہے وہ وادیٔ بکہ کا صیہون ہے۔ ہاجرہ کا صیہون ہے یروشلم کا صیہون نہیں۔ یہ وہ صیہون ہے جو کہ یوحنا عارف کے مکاشفات کی رُو سے بعد میں آسمان سے اُترنے والا تھا۔ (مکاشفات ۲۱ باب) ہاں یہ وہ صیہون ہے جسکے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب سے ثابت ہے کہ یہ صیہون بعد میں مقرر ہوگا۔ (۲۸/۱۶-۱۷) قیدار کی ساری بھیڑیں اور نبیط کے سارے مینڈھے جس صیہون کے مذبح پر چڑھائے جائینگے (یسعیاہ ۶۰/۷) (یہ تو ظاہر ہے کہ قیدار اور نبیط حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے ہیں (پیدائش ۲۵) جن کی نسل عرب خصوصاً حجاز میں آباد ہوئی) گویا یہ عربی صیہون ہے نہ کہ اسرائیلی صیہون۔ پھر اس صیہون کے لوگوں کی نسبت یسعیاہ نبی کی کتاب میں وہی کچھ لکھا ہے جو زبور کی پیشگوئی میں بیان ہوا۔ مثلاً اُمت کی قافلہ بہ قافلہ ترقی کا ذکر یسعیاہ نبی کی کتاب میں بایں الفاظ کیا گیا۔

"تیرے لوگ سب کے سب راستباز ہونگے۔ وے ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہونگے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ۔ میں خداوند اسکے عین وقت میں یہ سب کچھ کرونگا۔" (یسعیاہ ۶۰/۲۱) ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ بائیبل کی رُو سے صیہون دو ہیں ایک پُرانا ایک نیا۔ اور اسی طرح بیت اللہ بھی دو ہیں ایک بیت مقدس اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایک کعبۃ اللہ۔ چنانچہ حجّای نبی پیشگوئی کرتے ہیں "رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ایک دفعہ تھوڑی مدت کے بعد میں آسمان اور زمین اور بحر و بر کو ہلا دونگا۔ اور میں ساری قوموں کو ہلا دونگا اور سب قوموں کا متمنّی آئیگا (یعنی قومیں جس کیلئے چشم براہ ہیں وہ آئیگا) اور میں اس گھر کو جلال سے بھر دونگا..... اور اس پچھلے گھر کا جلال پہلے زیادہ ہوگا۔ رب الافواج فرماتا ہے میں اس مکان میں سلامتی اور امن عطا کروں گا" (حجّای ۲ / ۹۷ کیتھولک بائیبل)

مقام مورۃ کی تعیین

عربی بائیبل میں ہے..... ببرکاتٍ یغطون مورۃ۔ وہ وادی البکاء میں سے گذرتے ہوئے اُسے ایک چشمہ بنا دیتے اور برکتوں سے مورۃ کو ڈھانک لیتے ہیں"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مقام مورۃ بھی اسی وادیٔ بکا کے آس پاس ہے۔ اگر غور کریں تو مکہ کے پاس کی پہاڑی "مروہ" کے ساتھ یہ نام اور یہ تشریح بالکل منطبق ہو جاتی ہے۔ اور نام میں جو معمولی فرق ہے وہ اختلافِ السنہ کی رعایت سے قابلِ لحاظ نہیں۔

دراصل یہ مقام وہ ہے کہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے لے گئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذبیح کے راہِ مولےٰ میں سرِ تسلیم خم کر دینے کے عوض میں ایک عظیم الشان قربانی اس کی یادگار قرار دے دی ہے۔ "فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ"۔ بیشک یہ درست ہے کہ اب حج کے موقعہ پر قربانی مروہ کے پاس نہیں ہوتی بلکہ منٰی میں ہوتی ہے۔ لیکن اول تو منٰی اور مروہ ایک دوسرے کے پاس ہی ہیں۔ دوسرے حدیث میں آنحضرت صلعم کے فرمان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل قربان گاہ مروہ ہی تھی۔ (موطّا امام مالک) گو بعد میں حاجیوں کی کثرت کے باعث آبادی سے فاصلہ پر مقرر کر دی گئی۔ (سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل ص۹۱)

مقامِ مروہ کے متعلق محققین میں بہت بحث رہی ہے اور بحث کا انحصار اِس بات پر ہے، کہ موجودہ تورات میں چونکہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں مقام ذبح زمین "موریاہ" کا بھی ذکر آیا ہے۔ (پیدائش ۲۲ / ۲) اب ظاہر ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ تسلیم کرتے ہوئے مقامِ ذبح کسی عرب کی پہاڑی کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے یہ نام مختلف مقامات پر منطبق کیا گیا۔ لیکن مخالف قرائن کے باعث کچھ فیصلہ نہ ہوسکا۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ ابتدءً بائیبل میں بھی اسمٰعیلؑ کو ہی ذبیح بیان کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں قومی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رقابت کے جذبات سے متأثر ہو کر یہودی علماء نے اس نام کو بدل کر اسحاق کر دیا۔ مگر تفصیلات میں بعض ایسی باتیں باقی رہ گئیں جو اس تحریف کو بے نقاب کر رہی ہیں۔ چنانچہ جہاں اسحٰاق کو ذبیح قرار دیا گیا وہاں ساتھ ہی انہیں نہ ایک بار بلکہ تین بار اکلوتا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ حضرت اسحٰاق کسی صورت میں بھی حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے نہیں کہلا سکتے بلکہ اکلوتا کہلانے کا حق اگر کسی کے لئے سمجھا جا سکتا ہے تو وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ کیونکہ پلوٹھے بیٹے وہی تھے۔ اور وہی حضرت اسحٰاق کی پیدائش سے قبل ذبیح قرار پائے۔ چنانچہ اسی تحریف کو انجیل برناس میں بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے:۔

ذبیح اللہ کون ہے؟ انجیل برناس کی گواہی

مسیح نے کہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یقیناً عہد اسمٰعیل کے ساتھ کیا گیا ہے نہ کہ اسحاقؑ کے ساتھ۔ (اور عہد کا رسول بھی اسمٰعیل ہی کی نسل سے آئے گا) تب شاگردوں نے کہا کہ اے معلّم! موسیٰ کی کتاب میں یونہی کہا گیا ہے کہ عہد اسحاق کے ساتھ کیا گیا۔ یسوع نے آہِ سرد بھر کر جواب دیا۔ "لکھا تو یہی ہے۔ لیکن موسیٰ نے اس کو نہیں لکھا اور نہ یشوع نے بلکہ ہمارے احبار نے جو کہ خدا سے نہیں ڈرتے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم فرشتہ جبرائیل کے کلام میں غور کرو گے تو تم کو ہمارے کاتبوں اور فقیہوں کی بدباطنی کا علم ہو جائے گا۔ کیونکہ فرشتہ نے کہا (جو کہ تورات میں درج ہی)۔ ..... کہ اے ابراہیم تو اپنے پلوٹھے (یا اکلوتے) بیٹے اسحاق کو لے اور پہاڑ پر چڑھ جا تاکہ اس کو قربانی کے طور پر پیش کرے۔" پس اسحاق کیونکر پلوٹھا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ جب وہ پیدا ہوا اس وقت اسمٰعیل کی عمر سات سال کی تھی۔ تب اُس وقت شاگردوں نے کہا بے شک فقیہوں کا دھوکا صاف ظاہر ہے۔" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ۴۳، ۴۴، ۱۹۰، ۱۹۱)

اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ کہ تورات میں بیان فرمودہ سرزمین "موریاہ" حضرت اسحٰاق کا مقامِ ذبح نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کا مقامِ ذبح ہے۔ اب تمام اشکال جو کہ اس مقام کے متعلق حضرت اسحٰاق کے ذبیح اللہ ہونے سے پیدا ہوتی تھیں دُور ہو گئیں۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو تو حضرت ابراہیمؑ نے دشتِ فاران یعنی حجاز میں آباد کیا تھا (پیدائش) اسلئے لازماً مقامِ ذبح مورہ یا موریاہ بھی وہیں ہونا چاہیئے۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ وہ مقام "مروہ" ہے جسے رسول کریم صلعم نے قدیمی قربانگاہ قرار دیا اور قرآن مجید نے فدینٰہ بذبح عظیم میں جس طرف اشارہ کیا۔ اور حضرت داؤدؑ نے مذکورہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آیت میں جس مقام پر برکاتِ شریعت کے نزول کی پیشگوئی کی اور جو مقام کہ شعائر اللہ میں سے ہے۔ (سورۃ بقرہ)

حضرت داؤد علیہ السّلام کی حجاز میں آمد

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس گھر کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام آرزو مند ہیں اس گھر کا وصال انکو حاصل ہوُا بھی یا کہ نہیں۔ تحقیق کرنے پر زبور ۱۲۰ باب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام قیدار جاتے ہیں اور قیدار کے خیموں کے پاس اپنی سکونت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "میری جان ان کے ساتھ (یعنی بنو قیدار کیساتھ) جو صُلح سے کینہ رکھتے ہیں۔ اپنے واسطے زیادہ عرصہ سے رہتی ہے۔ مَیں تو صُلح کا آدمی ہوں لیکن جب مَیں بولتا ہوں تو وُے جنگ پر تیار ہوتے ہیں۔"

یہ یاد رہے کہ قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کے بڑے بیٹے کا نام ہے (پیدائش ۲۵/۱۳) اور بائیبل میں اس کا استعمال قوم عرب کی جگہ پایا جاتا ہے۔ (یسعیاہ ۴۲/۱۱، ۶۰/۷، یرمیاہ ۲/۱۰، ۴۹/۲۸، یسعیاہ ۲۱/۱۶،۱۷) چنانچہ کیتھولک بائیبل جلد چہارم کے حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ قیدار سے مراد عرب کا ایک حصہ ہے۔ (ص ۳۶، ۲۲۱)

ریورنڈ فارسٹر (Forster) اپنی کتاب Historical Geography of Arab "عرب کا تاریخی جغرافیہ" میں رقمطراز ہیں:۔

"اشعیاہ نبی نے قیدار کے جس مُلک کا ذکر کیا ہے اُس کو ہر شخص جو جغرافیۂ عرب سے واقف ہے فوراً کہدیگا کہ وہ عرب کے صوبۂ حجاز کا صحیح نقشہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔" (ص ۲۴۵)

دوسرا ثبوت کہ حضرت داؤد حجاز میں آئے یہ ہے۔ کہ مذکورہ زبور میں قیدار کے لفظ پر حاشیہ میں سموئیل ۱ ۲۵/۱ کا حوالہ درج ہے۔ جب ہم یہ حوالہ نکالتے ہیں تو وہاں لکھا ہے کہ حضرت "داؤد دشتِ فاران میں اُترے"۔ یہاں علمائے بائیبل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ قیدار اور فاران ایک ہی ہیں اور یہی حقیقت ہے۔ ان دونوں سے مراد حجاز ہے۔

تیسرا ثبوت یہ ہے کہ زبور ۶۳ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد ایک ریگ زار میں جہاں کہ پانی بھی میسّر نہیں خدا تعالیٰ کے ایسے جلوہ کے دیکھنے کے مشتاق ہیں جیسا کہ انہوں نے بیت مقدس میں دیکھا۔

چوتھا ثبوت یہ کہ زبور ۱۲۰ باب سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ داؤد نبی قیدار کے خیموں میں رہتے ہیں لیکن شکایت کرتے ہیں کہ وہ مجھ سے آمادۂ پیکار ہیں۔ چنانچہ زیر نظر پیشگوئی یعنی زبور ۸۴ باب میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام یہی فرماتے ہیں "مَیں نے شریروں کے خیموں میں رہنے کی نسبت بیت اللہ کی دہلیز پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کھڑا ہونا زیادہ پسند کیا (۸۴:۱۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نبی قیدار کے خیموں میں رہنے پر خدا کے گھر یعنی کعبۃ اللہ کی دربانی کو ترجیح دیتے ہیں۔

خاتمۃ الکلام

ان تمام تصریحات سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کعبۂ مقصود وادی بکہ کا کعبۃ اللہ تھا جس کی زیارت کے لئے وہ آئے۔ اور آپ کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی وادی غیر ذی زرع روحانی پھل لائیگی۔ یہاں ایک عظیم الشان انسان پیدا ہوگا۔ اس کی ایک مقدس اُمت ہوگی۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھے گی اور پھر صیہون یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوگی۔ شریعت کی آبشاریں اس بلدۂ امین کی روحانی آبپاشی کرینگی۔ اس مقام پر ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کی ستائش کی جائیگی۔ بلکہ مقام مردہ بھی فزوں در فزوں برکات سے نوازا جائے گا۔

"خدا تعالیٰ ایک آفتاب ہے اور سپر ہے۔ خداوند فضل اور جلال بخشتا ہے۔ ان لوگوں سے جو صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں کوئی اچھی چیز دریغ نہ کرے گا۔ مبارک وہ انسان جسے تیرا ہی آسرا ہے"۔ (زبور باب ۸۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ضروری تصحیح!

ریویو آف ریلیجنز اپریل ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں زیر عنوان "ضروری تردید" مولوی سعد الدین صاحب کے خط پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے نوٹ کا آخری فقرہ غلط چھپ گیا ہے۔ درست فقرہ یوں ہے:۔ "اور ایسے پہلے نبی نہ تھے"۔ احباب تصحیح فرمالیں۔

ایڈیٹر

(…پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر قادیان سے شائع کیا)